اسلام
پر
40 اعتراضات کے
عقلی و نقلی جواب
أدع إلى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي أحسن
ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک
ترجمہ: پروفیسر محمد رضا / ذوالقرنین
دار السلام
DARUSSALAM

تحقیق و تخریج سے مزین ایڈیشن

ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک

ترجمہ: پروفیسر محمد رضا / ذوالقرنین

کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب فون:4043432-4033962 1 00966
فیکس:4021659 E-mail: darussalam@awalnet.net.sa
Website: www.dar-us-salam.com

❶ طریق مکہ۔العلیا۔الریاض فون:4614483 1 00966 فیکس:4644945
❷ شارع العیبن۔الملز۔الریاض فون:4735220 فیکس:4735221
❸ جدّہ فون : 6879254 2 00966 فیکس : 6336270
❹ الخبر فون:8692900 3 00966 فیکس:8691551

فون: 5632623 6 00971
فیکس: 5632624
فون: 85394885 20 0044
فیکس: 85394889 020

❶ ہوسٹن فون:7220419 713 001
فیکس:7220431
❷ نیویارک فون:6255925 718 001
فیکس:6251511

❶ 36-لوئر مال، سیکرٹریٹ شاپ، لاہور
فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس:7354072
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com
❷ غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون:7120054 فیکس:7320703
❸ مُون مارکیٹ اقبال ٹاؤن۔لاہور فون:7846714

Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ (بالمقابل فری پورٹ شاپنگ مال) کراچی
فون:4393936-21-0092 فیکس:4393937
Email: darussalamkhi@darussalampk.com

F-8 مرکز، اسلام آباد فون:2500237-051

مضامین

حصہ اول

اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے عام سوالات

سوال 1

صرف اسلام ہی کی پیروی کیوں؟

سوال 2

کیا مسلمان کعبہ کو پوجتے ہیں؟

سوال 3

کیا اسلام بزورِ شمشیر پھیلا؟

سوال 4

مسلمان بنیاد پرست اور دہشت گرد ہیں؟

موت کے بعد زندگی کیوں؟

سوال 6

ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت کس لیے؟

سوال 7

ایک سے زیادہ شوہروں کی ممانعت کیوں؟

سوال 8

کیا حجاب عورت کا استحصال نہیں؟

سوال 9

مرد اور عورت کی گواہی میں مساوات کیوں نہیں؟

اسلام کا نظامِ وراثت غیر منصفانہ کیوں؟

سوال 11

شراب کی ممانعت میں کیا حکمت ہے؟

سوال 12

سؤر کا گوشت حرام کیوں ہے؟

سوال 13

اسلام میں گوشت خوری کی اجازت کیوں؟

سوال 14

اسلام میں ذبح کرنے کا طریقہ ظالمانہ ہے؟

سوال 15

گوشت مسلمانوں کو متشدد بناتا ہے؟

سوال 16

مسلمان فرقوں میں کیوں بٹے ہوئے ہیں؟

سوال 17

اسلام اور مسلمانوں کے عمل میں واضح فرق کیوں؟

سوال 18

غیر مسلموں کو مکہ جانے کی اجازت کیوں نہیں؟

سوال 19

کیا غیر مسلموں کو کافر کہنا گالی ہے؟

حصہ دوم

اسلام سے قدرے واقف غیر مسلموں کے مخصوص سوالات

سوال 20

کیا موجودہ قرآن اصلی ہے؟

سوال 21

اللہ ایک ہے تو اس کے لیے جمع کا صیغہ کیوں؟

سوال 22

کیا تنسیخ آیات غلطی کی اصلاح ہے؟

سوال 23

کیا حروفِ مقطّعات بے فائدہ ہیں؟

کیا زمین چپٹی اور ہموار ہے؟

سوال 25

کیا قرآن، بائبل کی نقل ہے؟

سوال 26

کیا قرآن اللہ کا کلام ہے؟

سوال 27

اللہ معاف کرنے والا ہے یا منتقم مزاج؟

سوال 28

کیا الٹراسونوگرافی قرآنی آیات کی نفی کرتی ہے؟

سوال 29

کیا قرآن میں تضاد ہے؟

سوال 30

تخلیق انسان کس سے؟

سوال 31

افلاک وارض کی تخلیق چھ یا آٹھ روز میں؟

سوال 32

کیا مشرق و مغرب دو دو ہیں؟

سوال 33

کیا اسلام تشدد اور خونریزی کی دعوت دیتا ہے؟

سوال 34

کیا قرآنی احکامِ وراثت میں ریاضی کی غلطی ہے؟

کفار کے دلوں پر مہر لگنے کے بعد وہ قصور وار کیوں؟

سوال 36

فہم وادراک کا مرکز دل یا دماغ؟

جنت میں مردوں کو حوریں ملیں گی تو عورتوں کے لیے کیا؟

ابلیس: فرشتہ یا جنّ؟

سوال 39

کیا مریم علیہا السلام ہارون علیہ السلام کی بہن تھیں؟

سوال 40

کیا ''روح اللہ'' سے الوہیت مسیح کشید کی جا سکتی ہے؟

سوال 41

کیا مسیح علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں؟

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا

عرضِ ناشر

دارالسلام کتاب وسنت کی اشاعت کا بین الاقوامی ادارہ ہے جو کم وبیش دو عشروں سے قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، تاریخ اور سیرت وسوانح کے موضوعات پر آٹھ سو سے زیادہ کتابیں دنیا کی بارہ اہم زبانوں میں شائع کر چکا ہے۔اس کا اشاعتی نیٹ ورک تین براعظموں میں پھیلا ہوا ہے اور دارالسلام کی مطبوعات صحت، سند اور خوبصورت پیشکش اور طباعت کے اعلیٰ معیار کی بنا پر ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہیں۔علاوہ ازیں اشاعت دین کے سلسلے میں جدید فنی ذرائع کا بھرپور استعمال طباعت و اشاعت کی دنیا میں اسے ایک ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔ان خدمات کی بجا آوری پر دارالسلام اور اس کے کارکنان اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (المائدة : 54/5)

علوم دین کی اشاعت کے سلسلے میں دارالسلام نے 11 کتابوں پر مشتمل ''تلاشِ حق سیریز'' شائع کی ہے۔ یہ کتب غیر مسلموں اور سیکولر افراد اور جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لیے شائع کی گئی ہیں جو مغرب سے شدید متاثر ہے۔اس کے ساتھ ساتھ 11 کتب پر مشتمل ''راہِ حق سیریز'' بھی شائع کی گئی ہے جس سے اسلام کے عقائد وعبادات اور مبادیات کا گہرائی سے مطالعہ کرنے والے نومسلم اور عام مسلمان استفادہ کر سکتے ہیں۔ زیر نظر کتاب ''اسلام پر 40 اعتراضات کے عقلی و نقلی جواب'' ''تلاشِ حق سیریز'' سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ دراصل ممبئی (بھارت) کے مبلغ اسلام ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک کے دعوتی خطبات "Spreading the Truth of Islam" (حقانیتِ اسلام کی نشرواشاعت) سے ماخوذ سوالات اور ان کے جوابات ہیں جو انگریزی کے

عرضِ ناشر

علم دوست اُستاد پروفیسر محمد رضا نے انٹرنیٹ سے نکالے۔ پہلا حصہ اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے عام سوالات پر مشتمل ہے۔ ان 19 سوالات اور ان کے جوابات کو پروفیسر محمد رضا نے خود انگریزی سے اُردو میں منتقل کیا۔ دوسرے حصے میں اسلام سے قدرے واقف غیر مسلموں کے مخصوص 22 سوالات اور ان کے جوابات شامل ہیں جن کا ترجمہ جناب ذوالقرنین مدیر معاون روزنامہ ''پاکستان'' نے کیا ہے۔

اس کتاب میں اگرچہ اسلام کے متعلق غیر مسلموں کے 41 سوالات اور ان کے جواب شامل کیے گئے ہیں مگر عدد 40 کی روایتی معنویت کی بنا پر کتاب کا عنوان ''اسلام پر 40 اعتراضات کے عقلی و نقلی جواب'' رکھا گیا ہے۔ ترجمہ شدہ مسودے کی تصحیح، تخریج اور پروف خوانی کی ذمہ داریاں جناب محسن فارانی، جناب احمد کامران، حافظ اقبال صدیق، مولانا محمد عثمان منیب اور حافظ محمد فاروق نے مل کر انجام دیں۔ آخر الذکر دو ساتھیوں نے کتاب کے فنی مراحل بھی مکمل کروائے۔ کمپوزنگ اور ڈیزائننگ کے فرائض جناب زاہد سلیم چودھری، ہارون الرشید اور ابومصعب نے ادا کیے ہیں۔ میں ان سب کا اور عزیزم حافظ عبدالعظیم اسد کا خاص طور پر ممنون ہوں جن کی نگرانی میں ''تلاش حق سیریز'' اور ''راہِ حق سیریز'' کے تبلیغی و اشاعتی سلسلے پایۂ تکمیل کو پہنچے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہماری اس ادنیٰ کاوش کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین یارب العالمین!

خادمِ کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر: دارالسلام، الریاض۔ لاہور

جمادی الآخرہ 1427ھ/ جولائی 2006ء

برائے مہربانی یہ کتاب خرید کر دوسروں تک زیادہ سے زیادہ تعداد میں پہنچائیں

حرفِ اول

اسلام دین فطرت ہے جو اگرچہ ابتدائے آفرینش سے چلا آرہا ہے مگر ابو الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دینِ حنیف کے پیروکاروں کو خاص طور پر ''مسلمین'' کا نام دے کر اسے ''اسلام'' یعنی تسلیم واطاعت کا دین قرار دیا، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ کے دین اسلام کا اثبات ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

''بے شک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔''[1]

یوں اللہ کا دین اسلام تو ایک ہی تھا اور ایک ہی ہے مگر مختلف زمانوں میں اس کی بگڑی ہوئی شکلیں یہودیت، مسیحیت وغیرہ کے ناموں سے بنی نوع انسان میں فروغ پاتی رہیں حتی کہ دینِ اسلام سے ان کا دور کا بھی تعلق نہ رہا۔ آخر کار خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی بعثت ہوئی، آپ نے اسلام کی تجدید کی اور جزیرہ نمائے عرب میں توحیدِ خالص پر مبنی اس دین کا پرچار کر کے اسے رہتی دنیا تک بیمار انسانیت کے لیے نسخۂ شفا بنا دیا۔

اسلام وحدانیت کا علمبردار اور واحد سچا دین ہے۔ یہ اسلام کی سچائی اور وحدانیت ہی تھی کہ تیئس برس کی مختصر مدت میں جزیرہ نمائے عرب کا گوشہ گوشہ اسلام کے نورِ سرمدی سے جگمگا اٹھا اور پہلی صدی ہجری کے اختتام پر مشرق میں سمرقند و بخارا اور کابل وملتان سے لے کر مغرب میں قرطبہ اور طلیطلہ تک اسلام کے پھریرے لہرا رہے تھے حتی کہ دجلہ سے لے کر ساحلِ اوقیانوس

---

[1] آل عمران 3:19

تک کے ممالک اسلامی ثقافت میں اس طرح ڈھل گئے کہ قرآن کی عربی زبان پورے خطے کی زبان بن گئی اور ان کی مقامی زبانیں اس طرح نسیًا منسیًّا ہو گئیں جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ آج آرامی، سریانی، قبطی اور بربری زبانیں کہیں بولی نہیں جاتیں اور یہ محض قدیم تاریخ کے اوراق کی زینت بنی نظر آتی ہیں۔ یہ اسلام کی سچائی اور آفاقیت کی بیّن دلیل ہے!

اسلام حکمت و تدبّر، خیر و فلاح اور تبلیغ و تعلیم کا دین ہے۔ قرآن مجید نے اسلام کے پیروکاروں کو خَيْرُ أُمَّةٍ قرار دے کر انھیں اجتماعی اور انفرادی حیثیت میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے مکلّف ٹھہرایا، چنانچہ مسلمان جب تک اخلاص و ایمان کے ساتھ یہ فریضہ سرانجام دیتے رہے، وہ دنیا میں سربلند رہے۔ دنیا ان کا پانی بھرتی رہی اور اسلامی تہذیب تمام تہذیبوں پر غالب رہی۔ مشرقی، وسطی اور مغربی افریقہ، برصغیر ہند و پاک، لنکا، مالدیپ، جنوب مشرقی ایشیا اور جزائر شرق الہند کے باشندے مبلغین اسلام کی تبلیغ و تلقین اور ان کے اسلامی کردار کی برکات سے حلقہ بگوش اسلام ہوتے چلے گئے۔ اس دوران میں چنگیز خاں کے تاتاری وحشیوں نے عالم اسلام پر یلغار کر دی۔ انھوں نے مختلف شہروں میں خون کی ندیاں بہائیں اور جگہ جگہ کلّہ مینار (کھوپڑیوں کے مینار) تعمیر کیے۔ سمرقند، بخارا، مرو، خوارزم، ہرات، نیشاپور، رے اور بغداد جیسے اسلامی مراکز تباہ و برباد کر دیے گئے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے میں چشمِ فلک نے دیکھا کہ تاتاری شہزادے اور حکمران یکے بعد دیگرے اسلام کے سایۂ عاطفت میں پناہ لینے لگے۔ یہ عجب اتفاق تھا کہ پانچ صدیوں سے تو مفتوح اقوام اسلام قبول کرتی آرہی تھیں مگر اب تاتاری فاتحین قبولِ اسلام کی سعادت حاصل کر رہے تھے۔ گویا اسلام نے فاتحین کے دلوں کو بھی فتح کر لیا تھا۔

چنگیز خان کے چار بیٹے تھے: جوجی، چغتائی، اوغتائی اور تولی۔ تاتاری سلطنت ان چاروں کی اولاد میں تقسیم ہوئی۔ جوجی کے دوسرے بیٹے برکہ خان کے قبول اسلام کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں مشرقی روس کا آلتون اُردو (سنہری خانوادہ) مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ خراسان و ایران

میں برسر اقتدار ہلاکو خان ابن تولی کی اولاد میں سے تکودار سلطان احمد خاں (شہید)، کیخا تو خان (شہید) اور سلطان محمود غازاں خان اسلام کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے۔ ادھر ترکستان میں چغتائی کے پر پوتے مبارک شاہ نے اسلام قبول کیا جبکہ اس سے پہلے اس کی والدہ اور حکمران ملکہ اور قینہ (بیوہ قرا ہلاکو) مسلمان ہو چکی تھی۔ مبارک شاہ کے بعد اس کے عم زاد اور جانشین بُراق خان اور پھر تر ماشیریں علاء الدین اور تغلق تیمور خان نے قبول اسلام کی سعادت حاصل کی۔ تغلق تیمور کے مشرف بہ اسلام ہونے کا واقعہ نہایت حیرت انگیز ہے جو مختصر کچھ یوں ہے:

شہزادہ تغلق تیمور شکاری مہم کے دوران میں کہیں خیمہ زن تھا کہ اذان کی آواز سے اس کی نیند اچاٹ ہوگئی۔ اس کے حکم پر سپاہی گئے اور اذان دینے والے مسلمان بزرگ شرف الدین کو پکڑ لائے۔ تغلق تیمور نے انھیں دیکھتے ہی اپنے قریب بیٹھے کتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا: ''تم اچھے ہو یا میرا یہ کُتا اچھا ہے؟'' شیخ شرف الدین نے کہا: اس سوال کا جواب اس وقت دینا ممکن نہیں۔ شہزادہ ان کے طرزِ گفتگو سے متاثر ہوا اور انھیں جانے دیا۔ اس کے بہت برس بعد جب تغلق تیمور تخت نشین ہو چکا تھا، شیخ شرف الدین کا آخری وقت آن پہنچا اور اُنھوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ میری تدفین سے فارغ ہو کر تغلق تیمور کے پاس جانا اور اسے یہ پیغام دینا کہ شرف الدین کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے، لہٰذا وہ اس کے کتے سے بہتر ہے۔ صاحبزادے نے دارالحکومت جا کر بڑی مشکل سے تغلق تیمور خان کے دربار میں رسائی پائی اور اسے اپنے والد کا پیغام دیا تو اس کے دل کی کایا پلٹ گئی اور ایمانی حلاوت سے شاد کام ہو کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔

محمود غازان (قازان) کے قبولِ اسلام کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی 694ھ) البدایۃ والنہایۃ میں لکھتے ہیں:

''اس سال چنگیز خاں کا پر پوتا قازان تاتاریوں کا بادشاہ ہوا اور امیر توزون رحمہ اللہ کے ہاتھ

پر علانیہ مشرف بہ اسلام ہوا اور تاتاری کُل یا بیشتر اسلام میں داخل ہو گئے۔ جس روز بادشاہ نے اسلام قبول کیا، اس روز سونا چاندی اور موتی لوگوں کے سروں پر نچھاور کیے گئے، اس نے اپنا نام محمود رکھا اور جمعے اور خطبے میں شرکت کی۔ بہت سے بت خانے گرا دیے اور ان پر جزیہ مقرر کیا۔ بغداد اور دوسرے شہروں اور ملکوں کی غصب کی ہوئی چیزیں واپس کی گئیں اور انصاف کیا گیا۔ لوگوں نے تاتاریوں کے ہاتھوں میں تسبیحیں دیکھیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا شکر ادا کیا۔'' (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ صفحہ:178)

تاتاری فاتحین کے داخلِ اسلام ہونے کے اس انقلابِ عظیم کی طرف علامہ اقبال نے ''جوابِ شکوہ'' میں یوں اشارہ کیا ہے ۔

ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

کم و بیش گیارہ سو سال تک اسلام کی فاتحانہ پیشرفت جاری رہی، پھر مسلمانوں کے کردار اور عمل میں تیزی سے ضعف آنے لگا اور انھوں نے اسلام کی تبلیغ کے دینی فریضے سے مجرمانہ کوتاہی برتی جس کے نتیجے میں دنیا کی سیادت ان سے چھن گئی۔ یورپ کی مسیحی اقوام بھوکے بھیڑیوں کی طرح اُن پر پل پڑیں اور ایک ڈیڑھ صدی کے اندر عالم اسلام کے تمام ممالک یکے بعد دیگرے یورپ کے استعماری شکنجے میں جکڑے گئے حتی کہ خلافت عثمانیہ بھی کمزور ہوتے ہوتے 1924ء میں خود ترکوں کے ہاتھوں ختم ہوگئی۔ ان تیرہ و تار حالات میں اللہ تعالیٰ کی حکمت عمل میں آئی اور یورپ کی استعماری اقوام یکے بعد دیگرے دو خوفناک عالمی جنگوں میں اُلجھ گئیں۔ ان دونوں جنگوں میں کروڑوں انسان مارے گئے اور یورپ، ایشیا اور افریقہ میں ایسی تباہی مچی جس کی گزشتہ انسانی تاریخ میں مثال نہیں ملتی، تاہم ان عالمی جنگوں کا مثبت نتیجہ یہ نکلا کہ استعماری طاقتوں کی توانائی نچڑ گئی اور ان کے لیے محکوم ممالک پر اپنا استعماری قبضہ تادیر برقرار رکھنا ناممکن

حرفِ اول

ہو گیا۔ اگست 1945ء میں دوسری جنگ عظیم ختم ہوئی اور اس کے بعد دواڑھائی عشروں میں محکوم اقوام یکے بعد دیگرے فرنگی استعمار کی زنجیریں توڑ کر آزادی سے بہرہ ور ہوتی چلی گئیں اور عروسِ آزادی سے ہمکنار ہونے والے ان ممالک میں نوے فیصد مسلم ممالک ہی ہیں۔

یورپی غلامی کے شکنجے سے آزادی پانے کے بعد اگرچہ مسلمان بدستور فکری و عملی اضمحلال سے دو چار ہیں اور کفر و باطل کے علمبردار جدید ترین اسلحے اور ذرائع ابلاغ کے شیطانی ہتھکنڈوں سے لیس ہو کر اہل اسلام اور اسلامی تہذیب پر حملہ آور ہیں مگر ذرائع آمد و رفت میں ترقی و سرعت اور ذرائع ابلاغ کی تیزی و اثر آفرینی کا ایک مثبت نتیجہ یہ نکلا ہے کہ داعیانِ اسلام کا کام کہیں آسان ہو گیا ہے اور وہ جدید ذرائع ابلاغ استعمال کرتے ہوئے ان غیر مسلموں تک اسلام کا رُوح پرور پیغام پہنچانے میں بھی کامیابی حاصل کر رہے ہیں جن کے ذہنوں تک رسائی حاصل کرنا پہلے ممکن نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج یورپ اور امریکہ میں کُفر کی ہولناک تاریکیوں میں ڈوبتے اُبھرتے لوگوں تک جیسے ہی اسلام کا نشاط انگیز پیغام پہنچتا ہے تو وہ مشرف بہ اسلام ہونے میں ایک لمحے کی دیر نہیں لگاتے۔ تازہ ترین خبر یہ ہے کہ فرانس کے مشہور زمانہ فٹ بال کے کوچ فلپ ٹراؤزیئر اور ان کی اہلیہ ڈومینک نے مراکش کے دارالحکومت رباط میں قبولِ اسلام کا اعلان کیا ہے۔ موصوف کا اسلامی نام اب عمر ہے اور ان کی اہلیہ اب امینہ کہلاتی ہیں۔ وہ مراکش میں مقیم ہیں، لہٰذا 27 مارچ 2006ء کو رباط میں ان کے قبول اسلام کا جشن منایا گیا ہے۔

عہدِ رواں کے مسلم مبلغین میں سے برصغیر کے ڈاکٹر حمید اللہ اور ڈربن (جنوبی افریقہ) کے شیخ احمد دیدات نے مغرب اور افریقہ میں تبلیغ اسلام کے حوالے سے بہت نام پیدا کیا۔ وہ چند سال پہلے یکے بعد دیگرے اپنے رب سے جا ملے ہیں۔ ان دونوں داعیانِ اسلام کی رحلت سے پیدا شدہ خلا اب بڑی حد تک ممبئی (بھارت) سے تعلق رکھنے والے مبلغ اسلام ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک، جمال بداوی اور ڈاکٹر بلال فلپ پورا کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک ان میں سرفہرست

حرفِ اول

ہیں۔ وہ ریسرچ فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام اسلام کی حقانیت کی اشاعت کر رہے ہیں اور اس کے لیے سیٹلائٹ ٹی وی چینل، کیبل ٹی وی اور انٹرنیٹ سمیت تمام ذرائع ابلاغ بروئے کار لا رہے ہیں۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، دینی اور دنیاوی علوم ان کو از بر ہیں، حافظہ بلا کا ہے اور انٹرنیٹ کی زبان انگریزی پر انھیں کامل عبور حاصل ہے۔ یہی نہیں انھیں قرآن مجید کی آیات، یہود ونصاریٰ کی کتاب بائبل اور ہندوؤں کی گیتا کے حوالے ابواب اور فقروں کے نمبروں سمیت اس طرح یاد ہیں جس طرح کبھی بچوں کو پہاڑے یاد ہوتے تھے۔ ان کی تقریر اور گفتگو عقل و دانش اور سائنسی حقائق سے مملو ہوتی ہے۔ وہ دھان پان سے انسان ہیں اور مغربی طرز کا سوٹ پہنتے ہیں مگر جب اُردو اور انگریزی میں اسلام اور تقابل ادیان پر بولتے ہیں تو الفاظ و معانی کا دھارا بہنے لگتا ہے اور مفاہیم و مطالب سُننے والوں کے ذہنوں میں اترتے چلے جاتے ہیں۔

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ڈاکٹر ذاکر نائیک کے خطبات مختلف ٹی وی چینلوں اور کیسٹوں کے ذریعے تبلیغِ اسلام کا بے مثال کام کر رہے ہیں۔ ان کے تبلیغی خطابات Spreading the Truth of Islam کے عنوان سے http:/www.irf.net پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک کی ویب سائٹ سے ماخوذ ''اسلام پر 40 اعتراضات کے عقلی و نقلی جواب'' کا مطالعہ دعوت و تبلیغ سے وابستہ اصحاب کے لیے اشد ضروری ہے اور غیر مسلم سچائی کے متلاشی بن کر ان کا مطالعہ کریں گے تو یقیناً انھیں روشنی ملے گی۔ اہل خیر حضرات غیر مسلم آبادیوں میں انھیں بڑی تعداد میں تقسیم کریں گے تو اللہ کے ہاں بالیقین اجر کے مستحق ٹھہریں گے!

محسن فارانی ۔ لاہور

14 جمادی الآخرہ 1427ھ/11 جولائی 2006ء

ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک

ایک تعارف

ڈاکٹر ذاکر نائیک پیشے کے اعتبار سے میڈیکل ڈاکٹر ہیں۔ وہ 18 اکتوبر 1965ء کو ممبئی (سابق بمبئی) میں پیدا ہوئے۔ وہ سینٹ پیٹرز ہائی سکول اور کشن چند چیلا رام کالج (ممبئی) کے فارغ التحصیل ہیں۔ انھوں نے ٹوپی والا نیشنل میڈیکل کالج میں پڑھتے ہوئے یونیورسٹی آف ممبئی سے ایم بی بی ایس کی سند حاصل کی اور نائر ہسپتال (ممبئی) میں خدمات انجام دیں۔ وہ اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن (IRF) کے صدر، آئی آر ایف ایجوکیشنل ٹرسٹ (ممبئی) کے چیئرمین اور اسلامک ڈائی مینشنز (ممبئی) کے صدر ہیں۔ گزشتہ دس برسوں سے وہ بھارت کے علاوہ امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، ہانگ کانگ، کویت، قطر، بحرین، جنوبی افریقہ، ماریشس، آسٹریلیا، ملائشیا، سنگاپور، تھائی لینڈ، گائیانا (جنوبی امریکہ) اور دیگر ممالک میں 1000 کے لگ بھگ پبلک لیکچرز دے چکے ہیں جن کے بعد سوال و جواب کی نشست خاصے کی چیز ہوتی ہے۔

محترم ذاکر نائیک نے دوسرے مذاہب کی نمایاں شخصیات کے ساتھ کئی سمپوزیم اور مباحثوں میں شرکت کر کے اپنی علمیت کی دھاک بٹھائی ہے۔ یکم اپریل 2001ء کو وہ شکاگو (امریکہ) میں ڈاکٹر ولیم کیمبل کے ہمراہ مناظرے میں شریک ہوئے جس کا عنوان تھا:

The Quran and the Bible in the Light of Science.

اس مناظرے میں ڈاکٹر نائیک نے ڈاکٹر کیمبل کو شکست فاش دی۔ ان کے انھی اوصاف کی بنا پر شیخ احمد دیدات مرحوم نے 1994ء میں انھیں دیدات پلس (Deedat Plus) یعنی

"دیدات کے کام کو آگے بڑھانے والا" قرار دیا تھا۔ مئی 2000ء میں دیدات مرحوم نے دعوت دین اور مطالعۂ تقابل ادیان کے میدان میں ڈاکٹر نائیک کی خدمات پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے انھیں جو شیلڈ پیش کی، اس پر درج ہے: "بیٹے! آپ نے جو کام 4 برسوں میں کیا ہے اس کی تکمیل میں مجھے 40 سال لگے، الحمد للہ!"

ڈاکٹر ذاکر نائیک اسلام اور تقابل ادیان پر درج ذیل کتابوں کے مصنف ہیں:

1- Replies to the Most Common Questions asked by Non-muslims.
(غیر مسلموں کی طرف سے پوچھے جانے والے بہت عام سوالوں کے جواب)

2- Quran and Modern Science- Compatible or Incompatible?
(قرآن اور جدید سائنس: ان میں مطابقت ہے یا عدم مطابقت؟)

3- Concept of God in Major Religions.
(بڑے مذاہب میں خدا کا تصور)

4- Islam and Terrorism
(اسلام اور دہشت گردی)

5- Women's Rights in Islam-Protected or Subjugated?
(اسلام میں خواتین کے حقوق: خواتین محفوظ ہیں یا محکوم؟)

6- Al-Quran-Should it be read with Understanding?
(القرآن: کیا اسے سمجھ کر پڑھنا چاہیے؟)

7- Is the Quran God's Word?
(کیا قرآن اللہ کی وحی ہے؟)

ڈاکٹر ذاکر نائیک دنیا کے 100 سے زیادہ ممالک میں کئی عالمی ٹی وی چینلوں پر باقاعدگی سے وعظ و ارشاد فرماتے ہیں۔ انھیں ٹی وی اور ریڈیو انٹرویو کے لیے مدعو کیا جاتا ہے۔ ان کی تقاریر، مکالمات، مباحثات اور سمپوزیم کی 100 سے زیادہ ویڈیو کیسٹس، ویڈیو سی ڈیز اور آڈیو کیسٹس دستیاب ہیں۔ ان کی تقاریر اور ان کے جوابات نہایت مدلل، دلنشین اور اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنے والے ہوتے ہیں۔

مقدمہ

اکثر مسلمان جانتے ہیں کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے اور تمام انسانوں کے لیے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا مالک ہے اور مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کا پیغام تمام بنی نوع انسان تک پہنچائیں۔ لیکن افسوس! اکثر مسلمان اس فرض سے غافل ہیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے باوجود کہ اسلام ہمارے لیے بہترین طرزِ زندگی ہے، ہم میں سے اکثر ان لوگوں کو اسلام کا پیغام پہنچانے سے گھبراتے ہیں جن تک ابھی یہ پیغام نہیں پہنچا۔

عربی لفظ ''دعوت'' کا مطلب ہے بلانا اور دعوت دینا۔ اسلامی اصطلاح میں اس کا مطلب ہے اسلام کو پھیلانے کی جدو جہد کرنا۔ اور قرآن کریم کی رُو سے دوسروں کو اسلام کی دعوت دینا ہر مسلمان کا فریضہ ہے اور اس میں کوتاہی کرنے والے ظالموں میں شمار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن كَتَمَ شَهَـٰدَةً عِندَهُۥ مِنَ ٱللَّهِ ۗ وَمَا ٱللَّهُ بِغَـٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٠﴾ ﴾

''اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے گواہی چھپائی جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس ہے۔ اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔''[1]

---

[1] البقرة 2:140

دوسروں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے مکالمہ اور بحث مباحثہ ناگزیر ہے۔ قرآنِ عظیم میں ربِّ جلیل نے فرمایا:

﴿ٱدۡعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلۡحِكۡمَةِ وَٱلۡمَوۡعِظَةِ ٱلۡحَسَنَةِۖ وَجَٰدِلۡهُم بِٱلَّتِي هِيَ أَحۡسَنُۚ﴾

''(اے نبی!) لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ دعوت دیجیے اور ان سے احسن طریقے سے بحث کیجیے۔''[1]

ایک غیر مسلم تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے صرف یہ کافی نہیں کہ اسلام کے مثبت طرزِ عمل اور فطرت کے بارے میں بتایا جائے۔ اکثر غیر مسلم اسلام کی سچائی کے قائل نہیں ہوتے۔ دراصل ان کے دماغ کے کسی گوشے میں کئی ایسے سوالات موجود ہوتے ہیں جن کا انھیں جواب نہیں ملتا۔

وہ اسلام کے مثبت طرزِ عمل اور فطرت کے بارے میں آپ کے نقطۂ نظر سے متفق ہو سکتے ہیں مگر اگلے ہی سانس میں وہ کہیں گے: ''لیکن آپ تو وہی مسلمان ہیں جو ایک سے زیادہ شادیاں کرتے ہیں، آپ وہی لوگ ہیں جو عورتوں کو پردے کے پیچھے محکوم و مغلوب رکھتے ہیں، آپ بنیاد پرست ہیں۔'' وغیرہ وغیرہ۔

میں اپنے ملنے والے اُن غیر مسلموں سے، جن کا علم محدود ہوتا ہے، یہ پوچھنے کو ترجیح دیتا ہوں کہ آپ اسلام میں کس چیز کو غلط محسوس کرتے ہیں۔ میں ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہوں کہ وہ کھل کر بات کریں اور انھیں قائل کرتا ہوں کہ میں اسلام کے متعلق تنقید سن سکتا ہوں۔

پچھلے چند برسوں میں دعوتِ دین کے تجربے کے دوران میں مجھے یہ احساس ہوا کہ انیس بیس سوالات ایسے ہیں جو غیر مسلم عام طور پر اسلام کے حوالے سے پوچھتے ہیں۔ جب آپ

[1] النحل: 125/16

کسی غیر مسلم سے پوچھتے ہیں کہ آپ کے خیال میں اسلام میں کیا چیز غلط ہے تو وہ پانچ یا چھ سوال اٹھاتا ہے جو کم و بیش انھی سوالوں میں سے ہوتے ہیں۔

دلیل سے بات کیجیے

آپ دلیل سے اکثریت کو قائل کر سکتے ہیں۔ اسلام کے بارے میں عام طور پر پوچھے جانے والے ان سوالات کا جواب عقل اور دلیل کے ذریعے سے دیا جا سکتا ہے اور غیر مسلموں کی اکثریت کو ان جوابات سے قائل کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایک مسلمان ان جوابات کو حفظ کر لے یا ذہن میں رکھے تو، ان شاء اللہ، وہ غیر مسلموں کو اسلام کی سچائی کا قائل کر سکتا ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہوتا تو وہ کم از کم اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے منفی نظریات اور تصورات کو رد کر سکتا ہے یا اُن کا ازالہ کر سکتا ہے۔ بس چند غیر مسلموں ہی کے پاس ان مدلّل جوابات کے جوابی دلائل ہوتے ہیں جن کے لیے مزید معلومات کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔

میڈیا کا پھیلایا ہوا غلط تصور

اکثر غیر مسلموں کے ذہنوں میں اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں اس لیے پیدا ہوتی ہیں کہ ان کے دماغ میں مسلسل غلط معلومات ڈالی جاتی ہیں۔ بین الاقوامی میڈیا کا کنٹرول زیادہ تر مغرب کے ہاتھ میں ہے، چاہے وہ بین الاقوامی سیٹلائٹ ٹی وی چینل ہوں یا ریڈیو سٹیشن، اخبارات، میگزین اور کتابیں ہوں۔ زمانۂ حال میں انٹرنیٹ اطلاعات کا مؤثر ذریعہ بن چکا ہے۔ اگرچہ یہ کسی کے کنٹرول میں نہیں لیکن اس میں بھی اسلام کے بارے میں بہت زیادہ پروپیگنڈہ موجود ہے۔ یقیناً مسلمان بھی اسے اسلام کا صحیح تصور اجاگر کرنے کے لیے استعمال

کر رہے ہیں لیکن اسلام کے بارے میں کیے جانے والے منفی پروپیگنڈے کے مقابلے میں وہ کہیں پیچھے ہیں۔ مجھے اُمید ہے کہ اب اس سلسلے میں مسلمانوں کی کوششیں تیز تر ہوں گی۔

اسلام کے بارے میں بہت عام سوالات مختلف ادوار میں مختلف رہے ہیں۔ فی زمانہ ان عام سوالوں کا مجموعہ موجودہ وقت اور حالات کے مطابق ہے۔ چند عشرے پہلے یہ سوالات مختلف تھے اور چند عشرے بعد بھی یقیناً مختلف ہوں گے۔ اس بات کا انحصار اس پر ہے کہ میڈیا میں اسلام کو کس حوالے اور کس اسلوب سے پیش کیا جاتا ہے۔

اسلام کے متعلق غلط تصورات دنیا بھر میں یکساں ہیں

میں دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف لوگوں سے ملا ہوں اور ہر جگہ مجھے اسلام کے بارے میں انھی عام سوالات کی یکسانیت ملی ہے، البتہ مقام، ماحول یا ثقافت کی نیرنگیوں کے باعث ان سوالات میں کچھ اضافہ بھی ہوا، مثلاً امریکہ میں اضافی طور پر پوچھا جانے والا عام سوال یہ ہے:

''اسلام سود لینے اور دینے سے کیوں منع کرتا ہے؟''

کچھ سوالات بھارتی غیر مسلموں کے بھی ہیں، مثال کے طور پر:

''مسلمان ایسی خوراک کیوں نہیں کھاتے جو صرف سبزیوں پر مشتمل ہو؟''

یہ سوال شامل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بھارتی نژاد لوگ ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور بھارتی باشندے دنیا کی آبادی کا 20 فیصد یا 1/5 حصہ ہیں، اس لیے ان کے سوالات بھی ان سوالوں میں شامل ہیں جو دنیا بھر کے غیر مسلم لوگ بالعموم پوچھتے رہتے ہیں۔

اسلام کا مطالعہ کرنے والے غیر مسلموں کے مزید غلط تصورات

بہت سے غیر مسلموں نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے مگر ان میں سے اکثر نے دراصل اُن مخصوص کتابوں کا مطالعہ کیا ہے جو اسلام کے متعصب ناقدین نے لکھی ہیں۔ یہ غیر مسلم اپنے ذہنوں میں اسلام کے بارے میں بیس بائیس مزید غلط نظریات رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن میں متعدد تضادات ہیں اور قرآن کی تعلیمات غیر سائنسی ہیں وغیرہ وغیرہ، لہٰذا ان غیر مسلمانوں کے غلط اعتراضات کے جوابات بھی اس مجموعے میں شامل کر دیے گئے ہیں جنھوں نے اسلام کو مسخ شدہ ذرائع سے پڑھا ہے۔

ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک

اسلام کے بارے میں غیر مسلموں کے عام سوالات

صرف اسلام ہی کی پیروی کیوں؟

''تمام مذاہب لوگوں کو اچھے کام کرنے کی تعلیم دیتے ہیں، پھر ایک شخص کو اسلام ہی کی پیروی کیوں کرنی چاہیے؟ کیا وہ کسی دوسرے مذہب کی پیروی نہیں کرسکتا؟''

تمام مذاہب بنیادی طور پر انسان کو صحیح راہ پر چلنے اور برائی سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ لیکن اسلام ان سب سے بڑھ کر ہے۔ یہ ہمیں صحیح راہ پر چلنے اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے برائی کو خارج کرنے میں عملی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اسلام انسانی فطرت اور معاشرے کی پیچیدگیوں کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔ اسلام خود خالقِ کائنات کی طرف سے رہنمائی ہے، اسی لیے اسلام کو دینِ فطرت، یعنی انسان کا فطری دین کہا گیا ہے۔ اسلام اور دوسرے مذاہب کا بنیادی فرق درج ذیل امور سے واضح ہوتا ہے:

اسلام اور ڈاکہ زنی کا تدارک

تمام مذاہب کی تعلیم ہے کہ ڈاکہ زنی اور چوری ایک بُرا فعل ہے۔ اسلام کی بھی یہی تعلیم ہے، پھر اسلام اور دوسرے مذاہب میں فرق کیا ہے؟ فرق یہ ہے کہ اسلام اس تلقین کرنے

کے ساتھ ساتھ کہ ڈاکہ زنی اور چوری بُرا کام ہے، ایسا سماجی ڈھانچا بھی فراہم کرتا ہے جس میں لوگ ڈاکے نہیں ڈالیں گے۔ اس کے لیے اسلام درج ذیل انسدادی اقدامات تجویز کرتا ہے:

- **زکاۃ کا حکم:** اسلام انسانی فلاح کے لیے زکاۃ کا نظام پیش کرتا ہے۔ اسلامی قانون کہتا ہے کہ ہر وہ شخص جس کی مالی بچت نصاب، یعنی 85 گرام سونے یا اس کی مالیت کو پہنچ جائے تو وہ ہر سال اس میں سے اڑھائی فیصد اللہ کی راہ میں تقسیم کرے۔ اگر ہر امیر شخص ایمانداری سے زکاۃ ادا کرے تو اس دنیا سے غربت، جو ڈاکہ زنی کی اصل محرک ہے، ختم ہو جائے گی اور کوئی شخص بھی بھوک سے نہیں مرے گا۔
- **چوری کی سزا:** اسلام چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹنے کی سزا دیتا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ہے:

﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا أَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَٰلًا مِّنَ ٱللَّهِ ۗ وَٱللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾﴾

''چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔ یہ اللہ کی طرف سے ان دونوں کے کیے ہوئے جرم کی سزا ہے۔ اور اللہ بہت طاقتور اور بہت حکمت والا ہے۔''[1]

اس پر غیر مسلم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''20 ویں صدی میں ہاتھ کاٹے جائیں؟ اسلام تو ایک ظالم اور وحشیانہ مذہب ہے۔'' لیکن ان کی یہ سوچ سطحی اور حقیقت سے بعید ہے۔

- **عملی نفاذ:** امریکہ کو دنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک سمجھا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے وہاں جرائم، چوری، ڈکیتی وغیرہ کی شرح بھی سب سے زیادہ ہے۔ فرض کریں کہ امریکہ میں

---

[1] المائدۃ 38/5:

اسلامی شریعت نافذ کی جاتی ہے اور ہر امیر آدمی نصاب کے مطابق، یعنی 85 گرام سونے سے زائد مال پر ہر سال زکاۃ ادا کرتا ہے اور ہر چور کا ہاتھ سزا کے طور پر کاٹ دیا جاتا ہے تو کیا امریکہ میں چوری اور ڈکیتی کی شرح بڑھ جائے گی، کم ہو جائے گی یا اتنی ہی رہے گی؟ یقیناً یہ کم ہوگی۔ مزید برآں یہ سخت قانون ممکنہ چوروں کو ارتکابِ جُرم سے روکنے میں مددگار ثابت ہوگا۔

میں اس بات سے متفق ہوں کہ اس وقت دنیا میں چوری کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اگر قطع ید کی سزا نافذ کی گئی تو لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کے ہاتھ کٹیں گے۔ لیکن یہ نکتہ پیشِ نظر رہے کہ جونہی آپ اس قانون کو نافذ کریں گے، چوری کی شرح فوری طور پر کم ہو جائے گی، تاہم اس سے پہلے اسلام کا نظامِ زکاۃ کارفرما ہو اور معاشرے میں صدقات وخیرات اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے اور غریبوں اور ناداروں کی مدد کا جذبہ فراواں ہو اور پھر سزاؤں کا نظام نافذ ہو تو چوری کرنے والا چوری کرنے سے پہلے سو بار سوچے گا کہ وہ اپنا ہاتھ کٹنے کا خطرہ مول لے رہا ہے۔ عبرتناک سزا کا تصور ہی ڈاکوؤں اور چوروں کی حوصلہ شکنی کرے گا۔ بہت کم لوگ چوری کریں یا ڈاکہ ڈالیں گے، پھر چند ہی عادی مجرموں کے ہاتھ کاٹے جائیں گے اور لاکھوں لوگ چوری اور ڈکیتی کے خوف کے بغیر سکون سے رہ سکیں گے۔ اس طرح اسلامی شریعت کے عملی نفاذ سے خوشگوار نتائج بھی برآمد ہوں گے۔

عورتوں کی عصمت دری کا سدِ باب

تمام بڑے مذاہب کے نزدیک عورتوں سے چھیڑ چھاڑ اور ان کی عصمت دری ایک سنگین جرم ہے۔ اسلام کی بھی یہی تعلیم ہے، پھر اسلام اور دوسرے مذاہب کی تعلیمات میں فرق کیا ہے؟ فرق اس حقیقت میں مضمر ہے کہ اسلام محض عورتوں کے احترام کی تلقین ہی نہیں کرتا اور

خواتین سے چھیڑ چھاڑ اور ان کی عصمت دری جیسے سنگین جرائم سے نفرت ہی نہیں کرتا بلکہ اس امر کی بھرپور رہنمائی بھی کرتا ہے کہ معاشرے سے ایسے جرائم کا خاتمہ کس طرح کیا جا سکتا ہے۔اس کے لیے آپ درج ذیل زریں اصول ملاحظہ کیجیے:

- **مردوں کے لیے حجاب:** اسلام کے حجاب کا نظام اپنی مثال آپ ہے۔قرآن مجید پہلے مردوں کو حجاب کا حکم دیتا ہے اور پھر عورتوں کو۔مردوں کے حجاب (پردہ) کا ذکر مندرجہ ذیل آیت میں ہے:

﴿قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٣٠﴾﴾

''(اے نبی!) مومن مردوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔یہ ان کے لیے بہت پاکیزگی کی بات ہے۔اور اللہ اُن تمام باتوں سے بخوبی واقف ہے جو وہ کرتے ہیں۔''[1]

اسلام کہتا ہے کہ ایک شخص کسی غیر محرم عورت کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ فوراً اپنی نگاہیں نیچی کر لے۔

- **عورتوں کے لیے حجاب:** عورتوں کے حجاب کا ذکر مندرجہ ذیل آیت میں ہے:

﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ

[1] النور:30/24

ٱلَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا۟ عَلَىٰ عَوْرَٰتِ ٱلنِّسَآءِ ﴾

''(اے نبی) مومن عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی نمائش نہ کریں سوائے اُس کے جو از خود ظاہر ہو۔ اور ان کو چاہیے کہ اپنے سینوں پر اوڑھنیاں ڈالے رکھیں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہر پر یا اپنے باپ پر یا اپنے سسر پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی (مسلمان) عورتوں پر یا اپنے دائیں ہاتھ کی ملکیت (کنیزوں) پر یا عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے نوکروں پر یا عورتوں کی چھپی باتوں سے ناواقف لڑکوں پر۔ اور وہ (عورتیں) اپنے پاؤں زور زور سے زمین پر مارتی نہ چلیں کہ ان کی زینت ظاہر ہو جائے جسے وہ چھپاتی ہیں۔ اور اے مومنو! تم سب اللہ سے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''[1]

حجاب کی حد یہ ہے کہ تمام جسم ڈھکا ہوا ہو۔ صرف چہرہ اور ہاتھوں کی کلائیاں کھلی رکھی جا سکتی ہیں اور اگر عورتیں چاہیں تو وہ ان اعضاء کو بھی ڈھانپ سکتی ہیں، تاہم بعض علماء اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ چہرہ ڈھانپنا بھی لازم ہے۔ (اور یہی موقف قرین صواب ہے)۔

■ **حفاظتی حصار:** اللہ تعالیٰ حجاب کا حکم کیوں دیتا ہے؟ اس کی وضاحت سورۂ احزاب کی مندرجہ ذیل آیت میں کی گئی ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَـٰبِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥٩﴾ ﴾

''اے نبی! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے

[1] النور :31/24

اوپر اپنی چادریں اوڑھ لیا کریں (جب وہ باہر نکلیں) یہ (بات) ان کے لیے قریب تر ہے کہ وہ (حیادار مومنات کے طور پر) پہچانی جائیں اور انھیں ایذا نہ دی جائے (کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کر سکے) اور اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔''[1]

قرآن کے مطابق حجاب کا حکم عورتوں کو اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ باحیا عورتوں کے طور پر پہچانی جاسکیں اور چھیڑ چھاڑ سے محفوظ رہیں۔

■ **ایک مثال سے وضاحت:** فرض کریں، دو جڑواں بہنیں ہیں، دونوں خوبصورت ہیں اور ایک گلی میں جا رہی ہیں۔ ان میں سے ایک اسلامی حجاب میں ہے، جبکہ دوسری مِنی سکرٹ میں ملبوس ہے۔ نکڑ پر کوئی بدمعاش کھڑا کسی لڑکی کو چھیڑنے کا منتظر ہے۔ وہ کس سے چھیڑ چھاڑ کرے گا؟ اسلامی حجاب میں ملبوس لڑکی سے یا منی سکرٹ میں ملبوس لڑکی سے؟ ایسا لباس جو جسم کو چھپانے کے بجائے نمایاں کر دے وہ بالواسطہ طور پر مخالف جنس کو چھیڑ چھاڑ اور بدکاری کی دعوت دیتا ہے، لہٰذا قرآن صحیح کہتا ہے کہ حجاب، یعنی پردہ عورت کو چھیڑ چھاڑ سے محفوظ رکھتا ہے۔

■ **عصمت دری کرنے والے کے لیے موت کی سزا:** اسلامی شریعت عصمت دری کرنے والے کی سزا موت قرار دیتی ہے۔[2] غیر مسلم خوفزدہ ہوں گے کہ اتنی بڑی سزا! بہت سے لوگ اسلام کو وحشی اور ظالمانہ مذہب قرار دیتے ہیں۔ لیکن ان کی یہ سوچ غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ میں نے یہ عام سوال سینکڑوں غیر مسلموں سے پوچھا ہے کہ فرض کیجیے:

---

① الأحزاب 59/33:

② ڈاکٹر ذاکر نائیک نے عصمت دری کرنے والے (Rapist) کی سزا کو ''سزائے موت'' لکھا ہے جبکہ اسلامی شریعت کے نقطۂ نظر سے زانی کی سزا یا حد دو قسم کی ہے: رَجْم (سنگسار) اور کوڑے۔ زانی اگر شادی شدہ ہے تو رَجْم (سنگسار) کیا جائے گا اور اگر وہ غیر شادی شدہ ہے تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی (یا قید) کی سزا دی جائے گی۔

خدانخواستہ کوئی آپ کی بیوی، آپ کی ماں یا آپ کی بہن کی عصمت دری کرے اور آپ کو منصف بنایا جائے اور جرم کرنے والے کو آپ کے سامنے لایا جائے۔ آپ اس کے لیے کیا سزا تجویز کریں گے؟ سب نے کہا: ''ہم اُسے قتل کر دیں گے۔'' اور کچھ اس حد تک گئے کہ ''ہم اس کے مرنے تک اُسے تشدد سے تڑپاتے رہیں گے۔'' اب اگر کوئی آپ کی بیوی یا بیٹی یا آپ کی ماں کی عصمت دری کرے تو آپ اس مجرم کو قتل کرنا چاہیں گے۔ لیکن جب کسی اور کی بیوی، بیٹی یا ماں کی عصمت دری کی جاتی ہے تو مجرم کے لیے سزائے موت کو وحشیانہ کیوں کہا جاتا ہے؟ آخر یہ دوہرا معیار کیوں؟

امریکہ میں عصمت دری کے روز افزوں واقعات

امریکہ کو دنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک سمجھا جاتا ہے۔ 1990ء کی ایف بی آئی کی رپورٹ کے مطابق عصمت دری (Rape) کے 1,02,555 مقدمات درج کیے گئے۔ اس میں مزید کہا گیا ہے کہ صرف 16 فیصد مقدمات کا اندراج ہوا یا ان کی رپورٹ کی گئی۔ یوں 1990ء میں پیش آمدہ عصمت دری کے واقعات کی اصل تعداد معلوم کرنے کے لیے 16/100 یعنی 6.25 سے ضرب دی جائے تو وہ 6,40,968 بنتی ہے۔ اور اگر اس مجموعی تعداد کو سال کے 365 دنوں سے تقسیم کیا جائے تو روزانہ اوسط 1,756 نکلتی ہے۔

بعد کی ایک اور رپورٹ کے مطابق امریکہ میں اس برس عصمت دری کے اوسطاً 1900 واقعات روزانہ پیش آئے۔ امریکی محکمہ انصاف کے نیشنل کرائم سروے بیورو کے اعداد و شمار کے مطابق صرف 1996ء میں آبروریزی کے 3,07,000 واقعات کی رپورٹ کی گئی اور یہ اصل تعداد کا صرف 31 فیصد تھی۔ اس طرح عصمت دری کے واقعات کی اصل تعداد 9,90,332 بنتی ہے جو دس لاکھ کے قریب ہے۔ گویا امریکہ میں اس سال ہر 32 سیکنڈ کے

بعد عصمت دری کا ایک واقعہ پیش آیا۔ ہو سکتا ہے اب امریکہ میں ایسے گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کرنے والے اور دلیر ہو گئے ہوں۔ 1990ء کی ایف بی آئی کی رپورٹ کے مطابق وہاں عصمت دری کے جتنے واقعات کی رپورٹ کی گئی ان کے مجرموں میں سے صرف 10 فیصد گرفتار کیے گئے جو زانیوں کی کل تعداد کا صرف 1.6 فیصد تھے۔ اور گرفتار شدگان میں سے بھی 50 فیصد کو مقدمے کی نوبت آنے سے پہلے ہی چھوڑ دیا گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ صرف 0.8 فیصد مجرموں کو مقدمات کا سامنا کرنا پڑا۔ دوسرے لفظوں میں اگر ایک شخص 125 مرتبہ یہ جرم کرتا ہے تو اسے صرف ایک بار سزا ملنے کا امکان ہے۔ ایک دوسری رپورٹ کے مطابق 50 فیصد لوگ جن کو ان مقدمات کا سامنا کرنا پڑا انھیں ایک سال سے بھی کم قید کی سزا سنائی گئی۔ اگرچہ امریکی قانون کے مطابق ایسے جرم کے مرتکب افراد کی سزا سات سال قید ہے مگر پہلی دفعہ ایسا گھناؤنا جرم کرنے والے کے ساتھ جج نرمی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ ذرا تصور کریں کہ ایک شخص 125 دفعہ یہ جرم کرتا ہے اور اس کے مجرم ٹھہرائے جانے کا امکان ایک فیصد ہوتا ہے اور اس میں بھی نصف مرتبہ جج نرمی کا رویہ اختیار کرتے ہوئے اسے ایک سال سے بھی کم کی سزا دیتا ہے۔

اسلامی شریعت کی برکت

فرض کریں امریکہ میں اسلامی شریعت کا نفاذ کیا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی عورت کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اپنی نگاہ نیچی کر لیتا ہے۔ اور ہر عورت اسلامی حجاب، یعنی پردے میں رہتی ہے اور اس کا پورا جسم سوائے ہاتھوں اور چہرے کے ڈھکا ہوتا ہے۔ اس صورتِ حال کے باوجود اگر کوئی کسی کی عصمت دری کرتا ہے اور مجرم کو سزائے موت دی جاتی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح عصمت دری کی شرح بڑھ جائے گی، وہی رہے گی یا کم ہو جائے گی؟ یقیناً

شرح کم ہو جائے گی اور یہ اسلامی شریعت کے نفاذ کا بابرکت نتیجہ ہوگا۔

اسلام میں تمام مسائل کا عملی حل

اسلام بہترین طرزِ زندگی ہے کیونکہ اس کی تعلیمات محض نظریاتی ہی نہیں بلکہ وہ انسانیت کو درپیش مسائل کے عملی حل بھی پیش کرتی ہیں، لہٰذا اسلام انفرادی اور اجتماعی سطحوں پر بہتر نتائج حاصل کرتا ہے۔ اسلام بہترین طرزِ زندگی ہے کیونکہ یہ قابلِ عمل عالمگیر مذہب ہے جو کسی ایک قوم یا نسل تک محدود نہیں، اسی لیے دوسرے مذاہب کے مقابلے میں صرف اسلام ہی ایسا دین ہے جس کو اپنا کر انسان اپنی شاہراہِ حیات بالکل سیدھی بنا کر اخروی زندگی میں کامیابی و کامرانی حاصل کرسکتا ہے۔ اور اخروی کامیابی ہی حقیقی کامیابی ہے۔

کیا مسلمان کعبہ کو پوجتے ہیں؟

''جب اسلام بتوں کی پوجا کے خلاف ہے تو مسلمان اپنی نمازوں میں کعبہ کے آگے کیوں جھکتے ہیں اور اس کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟''

کعبہ ہمارا قبلہ ہے، یعنی وہ سمت جس کی طرف منہ کر کے مسلمان نماز پڑھتے ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ اگرچہ مسلمان نمازوں میں کعبہ کی طرف رُخ کرتے ہیں لیکن وہ کعبہ کو پوجتے ہیں نہ اس کی عبادت کرتے ہیں بلکہ مسلمان صرف اللہ کے آگے جھکتے ہیں اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔

اس کا ذکر سورۂ بقرہ میں ہے:

﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي ٱلسَّمَآءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَىٰهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ ۚ﴾

''(اے نبی!) ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں، لہٰذا ہم ضرور آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ سو آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں۔''[1]

---

[1] البقرة 2:144

قبلہ اتحاد و اتفاق کا ذریعہ ہے

اسلام وحدت کا دین ہے، چنانچہ مسلمانوں میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرنے کے لیے اسلام نے ان کا ایک قبلہ متعین کیا ہے اور ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں، نماز کے وقت کعبے کی طرف رُخ کریں۔ جو مسلمان کعبے کے مغرب کی طرف رہتے ہوں، وہ اپنا رُخ مشرق کی طرف کریں گے اور جو مشرق کی طرف رہتے ہوں، وہ اپنا رُخ مغرب کی طرف کریں گے۔

کعبہ نقشۂ عالم کے وسط میں ہے

یہ مسلمان ہی تھے جنھوں نے سب سے پہلے دنیا کا نقشہ بنایا۔ ان کے نقشوں میں جنوب اوپر کی طرف تھا اور شمال نیچے کی طرف اور کعبہ درمیان میں تھا۔ بعد میں مغربی نقشہ نگاروں نے جو نقشے بنائے، ان میں شمال اوپر اور جنوب نیچے کی طرف دکھایا گیا جیسا کہ آج کل دنیا کے نقشے بنائے جاتے ہیں۔ بہرحال الحمدللہ کعبہ دنیا کے نقشے کے تقریباً وسط میں ہے۔

طوافِ کعبہ

جب مسلمان مکہ کی مسجد حرام میں جاتے ہیں، وہ کعبے کے گرد چکر لگا کر طواف کرتے ہیں۔ ان کا یہ عمل واحد سچے معبود پر ایمان اور اس کی عبادت کی علامت ہے۔ جیسے ہر دائرے کا ایک ہی مرکز ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی ایک ہے جو عبادت کے لائق ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں عقیدۂ توحید

جہاں تک سیاہ پتھر، یعنی حجرِ اسود کی حرمت کا تعلق ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے واضح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور کہا: [إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَّا تَضُرُّ

وَلَا تَنفَعُ،وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُقَبِّلُكُ مَا قَبَّلْتُكَ] ''میں یقیناً جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ تو کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر میں نے نبی کریم ﷺ کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا۔''[1]

کعبے کی چھت پر اذان

نبی کریم ﷺ کے دور میں لوگ کعبہ کی چھت کے اُوپر کھڑے ہوکر اذان دیتے تھے۔[2]

اب جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمان کعبہ کو پوجتے ہیں تو بھلا کون سا بتوں کو پوجنے والا اس بُت کے اُوپر کھڑا ہوتا ہے جس کی وہ پوجا کرتا ہے؟[3]

---

[1] صحیح البخاری، الحج، باب ماذکر فی الحجر الأسود، حدیث :1597

[2] تجلیات نبوت ، ص :226

[3] اسلام میں پوجنے اور عبادت کرنے کا تصور صرف ذات باری تعالیٰ کے لیے ہے۔ حجر، شجر، شخصیات یا استھان کی پُوجا کا تصور اسلام میں نہیں پایا جاتا۔ اسلام نے تو ایسی جگہ پر بھی عبادت سے روک دیا ہے جہاں اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کا شبہ پیدا ہوسکتا ہو، مثلاً قبرستان میں نماز ادا کرنا، یا ایسی جگہ عبادت کرنا جہاں غیر اللہ کی عبادت کی جاتی ہو، ممنوع ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ کسی دور میں کوئی ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ مسلمانوں نے کسی مکان یا عمارت کی عبادت کی ہو۔ اسلام میں اگر اللہ کے علاوہ کسی اور کی عبادت کا تصور ہوتا تو محمد ﷺ اس لائق تھے کہ آپ کی قبر کو قبلہ بنایا جاتا اور اس کی عبادت کی جاتی۔ لیکن آپ ﷺ نے اس سے سختی سے منع کر دیا، اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے، پھر یہ بات بھی ہے کہ بتوں کے پجاری تو بت خانے میں جا کر عبادت کرتے ہیں یا ان بتوں کے ماڈل بنا کر سامنے رکھتے ہیں جب کہ مسلمان قبولیت عبادت کے لیے خانہ کعبہ جانے کو شرط قرار دیتے ہیں نہ اس کا ماڈل اپنے سامنے رکھنا جائز سمجھتے ہیں۔ وہ تو جہتِ کعبہ کو سامنے رکھ کہ کعبہ کے بجائے رب کعبہ کی عبادت کرتے ہیں۔ (عثمان منیب)

کیا اسلام بزورِ شمشیر پھیلا؟

''اسلام کو امن و سلامتی کا مذہب کیسے کہا جا سکتا ہے جبکہ یہ تلوار کے زور سے پھیلا؟''

کچھ غیر مسلم عام طور پر اعتراض اٹھاتے ہیں کہ اسلام کے ماننے والے اتنی زیادہ تعداد میں نہ ہوتے اگر اسلام تلوار کے ذریعے سے نہ پھیلا ہوتا۔ مندرجہ ذیل نکات یہ حقیقت واضح کریں گے کہ اسلام بزورِ طاقت ہرگز نہیں پھیلا بلکہ اپنی عالمگیر صداقت، عقل پر مبنی تصورات اور سچائی پر مبنی دلائل کی بدولت اسلام کو فروغ ملا ہے۔

اسلام کا مطلب

اسلام لفظ ''سلام'' سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے سلامتی اور امن۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کی رضا کے آگے جھکا دیا جائے، پس اسلام سلامتی اور امن کا مذہب ہے جو اپنے آپ کو اللہ کی مرضی کے آگے جھکا دینے کی بدولت نصیب ہوتا ہے۔

طاقت کا استعمال

دنیا میں ہر انسان امن اور ہم آہنگی قائم رکھنے کے حق میں نہیں ہوتا یا بہت سے لوگ

ہوتے ہیں جو اپنے مفادات کے لیے امن و امان کو خراب کرتے ہیں، لہٰذا بعض اوقات امن قائم رکھنے کے لیے طاقت کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جرائم کے سد باب کے لیے پولیس کا نظام قائم کیا گیا ہے جو مجرموں اور سماج دشمن عناصر کے خلاف طاقت استعمال کرتی ہے تا کہ ملک میں امن و امان قائم رہے۔ اسلام امن کا خواہاں ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے ماننے والوں کو ظلم اور استحصال کے خلاف لڑنے کا حکم دیتا ہے۔ بعض اوقات ظلم سے لڑنے اور اسے ختم کرنے کے لیے طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسلام میں طاقت کا استعمال صرف ظلم کے خاتمے، امن کے فروغ اور عدل کے قیام کے لیے ہے اور اسلام کا یہ پہلو سیرت النبی ﷺ، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد کے ادوار سے بخوبی آشکار ہوتا ہے۔

مؤرخ ڈی لیسی اولیری کی رائے

اس غلط نظریے کا جواب کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا، ایک انگریز مؤرخ ڈی لیسی اولیری نے اپنی کتاب "Islam at the Cross Road" (صفحہ 8) میں بہترین انداز میں دیا ہے:

''تاریخ بہر حال یہ حقیقت واضح کر دیتی ہے کہ مسلمانوں کے متعلق روایتی تعصب پر مبنی کہانیاں کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا اور اس کے ذریعے سے جنونی مسلمان دنیا پر چھا گئے، سب نا معقول اور فضول افسانے ہیں جنھیں مؤرخین نے بار بار دُہرایا ہے۔''

سپین میں مسلمانوں کے 800 برس

مسلمانوں نے سپین میں تقریباً 800 سال حکومت کی اور وہاں لوگوں کو مسلمان کرنے کے لیے کبھی تلوار نہیں اٹھائی۔ بعد میں صلیبی عیسائی برسر اقتدار آئے تو انھوں نے وہاں سے

مسلمانوں کا صفایا کر دیا اور پھر سپین میں ایک بھی مسلمان ایسا نہ تھا جو آزادی سے ''اذان'' دے سکے۔

تقریباً ڈیڑھ کروڑ عرب نسلی عیسائی ہیں

مسلمان دنیائے عرب پر 1400 سال سے حکمران ہیں۔ اس کے باوجود ابھی تک 14 ملین، یعنی ایک کروڑ چالیس لاکھ عرب ایسے ہیں جو نسلوں سے عیسائی ہیں، جیسے مصر کے قبطی عیسائی۔ اگر اسلام تلوار یا طاقت کے زور پر پھیلا ہوتا تو عرب میں ایک بھی عیسائی نہ ہوتا۔

بھارت میں غیر مسلم

ہندوستان میں مسلمانوں نے تقریباً ایک ہزار سال حکومت کی۔ اگر وہ چاہتے تو بذریعہ طاقت ہندوستان کے ہر غیر مسلم کو مسلمان کر لیتے۔ آج بھارت کی 80 فیصد آبادی غیر مسلموں کی ہے۔ یہ تمام غیر مسلم کیا اس بات کی زندہ شہادت نہیں ہیں کہ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا۔

انڈونیشیا اور ملائشیا میں اسلام

دُنیا بھر کے ممالک میں سے انڈونیشیا میں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے، اسی طرح ملائشیا میں بھی اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ اب کوئی ان سے پوچھے کہ کون سی اسلامی فوج انڈونیشیا اور ملائشیا گئی تھی؟

افریقہ کا مشرقی ساحل

اسی طرح اسلام بہت تیزی سے براعظم افریقہ کے مشرقی ساحل پر پھیلا۔ مستشرقین سے

پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر اسلام تلوار کے ذریعے سے پھیلا تو کونسی اسلامی فوج افریقہ کے مشرقی ساحل پر گئی تھی۔

تھامس کارلائل کی دلیل

مشہور مؤرخ تھامس کارلائل اپنی کتاب ''ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ'' میں اسلام کے پھیلاؤ کے بارے میں مغربی تصورات کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اسلام کے فروغ میں تلوار استعمال ہوئی لیکن یہ تلوار کیسی تھی؟ ایک نظریہ تھا۔ ہر نیا نظریہ شروع میں فردِ واحد کے نہاں خانۂ دماغ میں جنم لیتا ہے۔ وہاں وہ نشوونما پاتا رہتا ہے۔ اس پر دُنیا بھر کا صرف ایک ہی آدمی یقین رکھتا ہے، گویا ایک شخص فکری لحاظ سے تمام انسانوں سے مختلف ہوتا ہے۔ اگر وہ ہاتھ میں تلوار لے اور اس کے ذریعے سے اپنا نظریہ پھیلانے کی کوشش کرے تو یہ کوشش بے سود رہے گی۔ لیکن اگر آپ اپنے نظریے کی تلوار سے سرگرمِ عمل رہیں تو وہ نظریہ دُنیا میں اپنی قوت سے خود بخود پھیلتا چلا جائے گا۔''

دین میں کوئی جبر نہیں

یہ درست نہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ مسلمان فروغ اسلام کے لیے تلوار استعمال کرنا چاہتے بھی تو استعمال نہیں کر سکتے تھے کیونکہ قرآن مجید مندرجہ ذیل آیت میں کہتا ہے:

﴿لَآ إِكْرَاهَ فِي ٱلدِّينِۖ قَد تَّبَيَّنَ ٱلرُّشْدُ مِنَ ٱلْغَيِّۚ﴾

''دین میں کوئی جبر نہیں۔ ہدایت گمراہی سے واضح ہو چکی ہے۔''[1]

---

[1] البقرة 2:256/2

حکمت کی تلوار

فروغِ اسلام کا باعث دراصل حکمت کی تلوار ہے۔ یہ ایسی تلوار ہے جو دِل اور دماغ فتح کر لیتی ہے۔قرآن کہتا ہے:

﴿ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَـٰدِلْهُم بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ۚ﴾

''لوگوں کو اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور بہترین وعظ کے ساتھ بلائیں اور ان سے بہترین طریقے سے بحث کریں۔''[1]

نصف صدی میں عالمی مذاہب کے پیروکاروں میں اضافہ

1986ء میں ریڈرز ڈائجسٹ کے ایک مضمون میں 1934ء سے 1984ء تک نصف صدی میں دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کے پیروکاروں کی تعداد میں فیصد اضافے کے اعداد وشمار دیے گئے تھے۔ یہ مضمون ''صاف سچ'' (The Plain Truth) نامی جریدے میں بھی چھپا۔ ان میں سرفہرست اسلام تھا جس کے پیروکاروں کی تعداد میں 235 فیصد اضافہ ہوا اور عیسائیت میں اضافہ صرف 47 فیصد رہا۔ پوچھا جا سکتا ہے کہ اس صدی میں کون سی مذہبی جنگ لڑی گئی جس نے لاکھوں لوگوں کو مسلمان کر دیا۔

امریکہ اور یورپ میں روز افزوں مذہب اسلام ہے

آج یورپ اور امریکہ میں سب سے زیادہ بڑھنے والا مذہب اسلام ہے۔ وہ کون سی تلوار

---

[1] النحل : 125/16

ہے جو لوگوں کو اتنی بڑی تعداد میں مسلمان ہونے پر مجبور کر رہی ہے؟ یہ تلوار اسلام کا سچا عقیدہ ہے۔

ڈاکٹر جوزف آدم پیٹرسن کا اعلانِ حقیقت

ڈاکٹر جوزف آدم پیٹرسن صحیح کہتے ہیں:

''جو لوگ فکر مند ہیں کہ ایٹمی ہتھیار ایک دن عرب لوگوں کے ہاتھ لگ جائیں گے، وہ اس حقیقت کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں کہ اسلامی بم تو پہلے ہی گرایا جا چکا ہے، یہ اُس دِن گرا تھا جب محمد (ﷺ) پیدا ہوئے تھے۔''

مسلمان بنیاد پرست اور دہشت گرد ہیں؟

''مسلمانوں کی اکثریت بنیاد پرست اور دہشت گرد کیوں ہے؟''

یہ سوال مذاہب یا عالمی امور کے متعلق کسی بحث میں بالواسطہ یا بلاواسطہ مسلمانوں کے بارے میں کیا جاتا ہے۔ راسخ العقیدہ اور ''بنیاد پرست'' مسلمانوں کا ذکر تمام ذرائع ابلاغ میں بار بار کیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق افترا پردازی کی انتہا کر دی جاتی ہے۔ دراصل یہ بے بنیاد پروپیگنڈہ مسلمانوں کے خلاف امتیاز اور تشدد کا باعث بنتا ہے۔ اس کی ایک مثال اوکلاہوما میں ہونے والے بم دھماکے کی ہے جس کے بعد امریکی میڈیا نے مسلم دشمنی کی مہم چلائی۔ اسے مشرقِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی سازش قرار دیا گیا جبکہ مجرم امریکی فوج کا ایک سپاہی تھا۔

آیئے! ہم ''دہشت گردی'' اور ''بنیاد پرستی'' کے الزامات کا تجزیہ کریں۔

بنیاد پرست کی تعریف

بنیاد پرست ایسے شخص کو کہتے ہیں جو اپنے عقیدے یا نظریے کی مبادیات، یعنی بنیادی باتوں سے پوری طرح وابستہ ہو اور ان پر پوری طرح کاربند ہو۔ اگر ایک شخص اچھا ڈاکٹر

بننا چاہتا ہے تو اسے طب کی مبادیات کا علم ہونا اور اُن پر اس کا عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔ اور ایک اچھے ریاضی دان کے لیے ضروری ہے کہ وہ ریاضی کی مبادیات سے اچھی طرح واقف ہو۔ گویا ایک ڈاکٹر کو طب میں اور ایک ریاضی دان کو ریاضی کے شعبے میں فنڈامنٹلسٹ (Fundamentalist) یا بنیاد پرست ہونا چاہیے، اسی طرح ایک سائنسدان کو سائنس کے بارے میں مکمل معلومات ہونی چاہئیں۔ دوسرے الفاظ میں اُسے سائنس کے میدان میں بنیاد پرست ہونا چاہیے، اِسی طرح دین کے معاملے میں بھی ایک شخص کا بنیاد پرست ہونا ضروری ہے۔

تمام بنیاد پرست ایک جیسے نہیں

حقیقت یہ ہے کہ تمام بنیاد پرست ایک جیسے نہیں اور نہ ان کو ایک جیسا کہا جا سکتا ہے۔ تمام بنیاد پرستوں کو اچھے یا بُرے گروہوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ کسی بنیاد پرست کی کسی گروہ سے وابستگی کا انحصار اُس کے متعلقہ شعبے اور سرگرمی پر ہے جس میں وہ بنیاد پرستی کا مظاہرہ کرے۔ ایک بنیاد پرست ڈاکو یا چورا اپنے پیشے میں بنیاد پرست ہوتا ہے جو معاشرے کے لیے تکلیف کا باعث بنتا ہے اور اس لیے ناپسندیدہ ٹھہرتا ہے جبکہ اس کے برعکس ایک بنیاد پرست ڈاکٹر معاشرے کے لیے بہت مفید ہوتا ہے اور بہت معزز بھی۔

مجھے بنیاد پرست ہونے پر فخر ہے

میں ایک بنیاد پرست مسلمان ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام کے بنیادی اصولوں کو جانتا اور اُن پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایک صحیح مسلمان کو بنیاد پرست ہونے پر شرمندہ نہیں ہونا چاہیے۔ میں اپنے بنیاد پرست مسلمان ہونے پر فخر کرتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ

اسلام کے بنیادی اصول نہ صرف انسانیت بلکہ تمام دُنیا کے لیے مفید ہیں۔ اسلام کا ایک بھی بنیادی اصول ایسا نہیں جو تمام بنی نوع انسان کے مفاد میں نہ ہو یا اُن کے لیے نقصان دہ ہو۔ بہت سے لوگ اسلام کے بارے میں غلط تصورات رکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی بہت سی تعلیمات ٹھیک نہیں اور نا انصافی پر مبنی ہیں۔ یہ اندازِ فکر اسلام کے بارے میں غلط اور ناکافی معلومات کی وجہ سے ہے۔ اگر کوئی کھلے دِل و دماغ سے اسلام کی تعلیمات کا جائزہ لے تو وہ اس حقیقت تک پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسلام انفرادی اور اجتماعی دائروں میں یکساں طور پر فائدہ مند ہے۔

بنیاد پرست کا لغوی مطلب

ویبسٹرز (Websters) کی انگریزی ڈکشنری کے مطابق Fundamentalism یا بنیاد پرستی ایک تحریک تھی جو بیسویں صدی کے شروع میں امریکی پروٹسٹنٹوں کے اندر اُٹھی۔ یہ تحریک جدیدیت کے خلاف ردِ عمل تھی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ لوگ صرف عقائد اور اخلاق بلکہ تاریخی ریکارڈ کے حوالے سے بھی بائبل کے غلطیوں سے پاک ہونے پر زور دیتے تھے۔ وہ اس پر بھی زور دیتے تھے کہ بائبل کا متن ہو بہو خدا کے الفاظ ہیں۔ اس طرح بنیاد پرستی ایک ایسی اصطلاح ہے جو سب سے پہلے عیسائیوں کے ایک گروہ کے لیے استعمال کی گئی جو یقین رکھتے تھے کہ بائبل لفظ بہ لفظ خدا کا کلام ہے اور اس میں کوئی غلطی یا تحریف نہیں۔

لیکن اب آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق ''بنیاد پرستی'' کا مطلب ہے:

''کسی مذہب، خاص طور پر اسلام، کے قدیم یا بنیادی نظریات پر سختی سے کاربند ہونا۔''

یوں مغربی دانشوروں اور میڈیا نے ''بنیاد پرستی'' کی اصطلاح کو عیسائیت سے الگ کر کے خاص طور پر اسلام سے وابستہ کر دیا ہے۔

آج جب کوئی بنیاد پرست کی اصطلاح استعمال کرتا ہے تو فوراً اس کے ذہن میں ایک مسلمان کا تصور آتا ہے جو اس کے خیال میں دہشت گرد ہے۔

ہر مسلمان کو "دہشت گرد" ہونا چاہیے

ہر مسلمان کو "دہشت گرد" ہونا چاہیے۔ دہشت گرد ایسے شخص کو کہتے ہیں جو دہشت پھیلانے کا باعث ہو۔ جب کوئی ڈاکو کسی پولیس والے کو دیکھتا ہے تو وہ دہشت زدہ ہو جاتا ہے۔ گویا ڈاکو کے لیے پولیس والا دہشت گرد ہے، اسی طرح ہر مسلمان کو چور، ڈاکو اور زانی جیسے سماج دشمن عناصر کے لیے دہشت گرد ہونا چاہیے۔ جب ایسا سماج دشمن شخص کسی مسلمان کو دیکھے تو اُسے دہشت زدہ ہو جانا چاہیے۔ یہ ٹھیک ہے کہ لفظ "دہشت گرد" عام طور پر ایسے شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو عام لوگوں کے لیے خوف اور دہشت کا باعث ہو لیکن سچے اور صحیح مسلمان کو صرف مخصوص لوگوں کے لیے دہشت گرد ہونا چاہیے، یعنی سماج دشمن عناصر کے لیے نہ کہ عام بے گناہ لوگوں کے لیے۔ درحقیقت ایک مسلمان بے گناہ لوگوں کے لیے امن اور سلامتی کا باعث ہوتا ہے۔

دہشت گرد یا محبِ وطن کون؟

آزادیٔ ہند سے پہلے انگریزوں کی حکمرانی کے زمانے میں بعض مجاہدینِ آزادی جو عدم تشدد کے حامی نہیں تھے، انھیں انگریزوں کی حکومت "دہشت گرد" کے نام سے موسوم کرتی تھی لیکن عام ہندوستانیوں کے نزدیک تشدد پر مبنی سرگرمیوں میں مصروف یہ افراد محبِّ وطن تھے۔ یوں ان لوگوں کی سرگرمیوں کو فریقین کی طرف سے مختلف نام دیے گئے۔ وہ لوگ جو یہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان پر حکومت کرنا انگریزوں کا حق ہے، وہ ان لوگوں کو دہشت گرد کہتے تھے جبکہ

دوسرے لوگ جن کا خیال تھا کہ انگریزوں کو ہندوستان پر حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں، انھوں نے ان لوگوں کو محبِ وطن اور مجاہدِ آزادی قرار دیا۔

پس یہ نہایت ضروری ہے کہ کسی شخص کے بارے میں کوئی فیصلہ دینے سے پہلے اُس کی بات سُنی جائے۔ دونوں طرف کے دلائل سُنے جائیں، صورتِ حال کا تجزیہ کیا جائے، پھر اُس شخص کی دلیل اور مقصد کو پیش نظر رکھ کر اس کے مطابق اُس کے بارے میں رائے قائم کی جائے۔

اسلام کا مطلب سلامتی ہے

لفظ اسلام ''سلام'' سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے سلامتی۔ یہ امن کا مذہب ہے جس کے بنیادی اصول اس کے پیروکاروں کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ دُنیا میں امن قائم کریں اور اسے فروغ دیں۔

چنانچہ ہر مسلمان کو بنیاد پرست ہونا چاہیے۔ اس کو امن کے دین اسلام کے بنیادی اصولوں پر عمل کرنا چاہیے اور اسے صرف سماج دشمن عناصر کے لیے دہشت گرد ہونا چاہیے تاکہ معاشرے میں امن اور عدل وانصاف کو فروغ ملے۔

موت کے بعد زندگی کیوں؟

"آپ آخرت، یعنی موت کے بعد زندگی کے وجود کو کیسے ثابت کریں گے؟"

کئی لوگ حیران ہوں گے کہ سائنسی اور عقلی دلائل کا حامل ایک شخص اخروی زندگی پر کیسے یقین رکھ سکتا ہے؟ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص آخرت کی زندگی پر یقین رکھتا ہے وہ صرف اندھے اعتقاد کی بنا پر ایسا کرتا ہے جبکہ اُخروی زندگی پر میرا یقین عقلی دلائل پر مبنی ہے۔

آخرت کا عقیدہ عقلی بنیاد پر

قرآن عظیم میں ایک ہزار سے زیادہ آیات ہیں جو سائنسی حقائق پر مبنی ہیں۔ اس کے لیے میری کتاب Quran and Modern Science: Compatible or Incompatible? (قرآن اور جدید سائنس: مطابقت رکھتے ہیں یا عدم مطابقت؟) دیکھیے۔ قرآن میں مذکور بہت سے حقائق گزشتہ چند صدیوں میں سائنسی سطح پر دریافت ہوئے ہیں۔ لیکن سائنس ابھی تک قرآن کے ہر بیان کی تصدیق کی سطح پر نہیں پہنچی۔

فرض کریں قرآن میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں سے 80 فیصد بیانات سو فیصد درست ہیں۔ باقی 20 فیصد بیانات کے متعلق سائنس کوئی حتمی بات نہیں کہتی کیونکہ ابھی وہ اس

مقام پر نہیں پہنچی جہاں وہ ان بیانات کو ثابت کر سکے یا جھٹلائے۔ ہم اپنے محدود علم کی روشنی میں یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ قرآن کے اس 20 فیصد حصے میں سے ایک فیصد یا ایک آیت بھی غلط ہے۔ اب جبکہ 80 فیصد قرآن سو فیصد صحیح ہے اور باقی 20 فیصد کو غلط ثابت نہیں کیا گیا تو منطق کہتی ہے کہ باقی 20 فیصد بھی صحیح ہے۔ موت کے بعد زندگی جس کا قرآن میں ذکر ہے وہ اس 20 فیصد غیر واضح حصے میں ہے جس کے متعلق منطق یہ کہتی ہے کہ صحیح ہے۔

امن اور انسانی اقدار کا تصور

ڈاکہ زنی اچھائی ہے یا بُرائی؟ ایک عام عاقل آدمی کے نزدیک یہ بُرائی ہے۔ ایک شخص جو موت کے بعد زندگی پر یقین نہیں رکھتا، کسی طاقتور اور با اثر ملزم کو کیسے قائل کر سکتا ہے کہ ڈاکہ زنی بُرائی ہے؟

فرض کریں کہ میں دنیا میں سب سے طاقتور اور با اثر مجرم ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ میں ایک ذہین اور منطقی شخص بھی ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ ڈاکہ زنی اچھی بات ہے کیونکہ یہ مجھے پُرتعیش زندگی بسر کرنے میں مدد دیتی ہے، اس لیے یہ میرے لیے ٹھیک ہے۔ اگر کوئی میرے سامنے منطقی دلیل لا سکے کہ یہ میرے لیے کیوں بُری ہے تو میں اسے فوراً چھوڑ دوں گا۔ لوگ عام طور پر مندرجہ ذیل دلائل دیتے ہیں:

- **لٹنے والے کے لیے مشکلات:** کچھ لوگوں کے نزدیک لُٹنے والا شخص مشکلات کا سامنا کرے گا۔ میں یقیناً متفق ہوں کہ یہ اس کے لیے بُرا ہے جو لٹ جاتا ہے لیکن میرے لیے اچھا ہے۔ اگر میں ہزاروں ڈالر لوٹتا ہوں تو میں کسی فائیو سٹار ہوٹل میں اچھے کھانے سے لطف اندوز ہو سکتا ہوں۔
- **کوئی آپ کو بھی لُوٹ سکتا ہے:** کچھ لوگ دلیل دیتے ہیں کہ کسی دن میں بھی لُٹ جاؤں

گا۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ مجھے کوئی نہیں لوٹ سکتا کیونکہ میں ایک بہت طاقتور مجرم ہوں اور میرے سینکڑوں محافظ ہیں۔ میں کسی کو بھی لوٹ سکتا ہوں لیکن مجھے کوئی نہیں لوٹ سکتا۔ ڈاکہ زنی عام آدمی کے لیے خطرناک ہوسکتی ہے لیکن میرے جیسے بااثر آدمی کے لیے نہیں۔

■ پولیس تمھیں گرفتار کرسکتی ہے: کچھ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ اگر تم لوگوں کو لوٹو گے تو پولیس تمھیں گرفتار کرلے گی۔ لیکن پولیس مجھے گرفتار نہیں کرسکتی کیونکہ میں پولیس کو حصہ دیتا ہوں اور میرے حصے دار وزیر بھی ہیں۔ میں اس بات سے متفق ہوں کہ اگر عام آدمی ڈاکہ زنی کرے گا تو وہ پکڑا جائے گا اور یہ اس کے لیے اچھا نہ ہوگا لیکن میں غیر معمولی طور پر بااثر اور طاقتور مجرم ہوں۔

میرے سامنے کوئی منطقی دلیل پیش کریں کہ میرے لیے ڈاکہ زنی کیوں بُری ہے، تب میں اس برے کام سے رک جاؤں گا۔

■ پیسہ کمانے کا آسان طریقہ: کچھ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ اس طریقے سے روپیہ کمانا آسان ہے، اس میں کوئی مشکل نہیں۔ میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ یہ آسان طریقہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ میں ڈاکہ زنی کرتا ہوں۔ اگر ایک شخص کو یہ اختیار دیا جائے کہ پیسہ کمانے کا آسان طریقہ منتخب کرے یا مشکل تو منطقی شخص آسان راستہ ہی اختیار کرے گا۔

■ انسانیت کے منافی فعل: کچھ لوگوں کے نزدیک ڈاکہ زنی انسانیت کے خلاف ہے اور یہ کہ ایک انسان کو دوسروں کا خیال رکھنا چاہیے۔ میں دوبارہ دلیل دے کر یہ پوچھنا چاہوں گا کہ جس چیز کو ''انسانیت'' (Humanity) کہتے ہیں وہ کس کا قانون ہے اور مجھے کیوں اس پر عمل کرنا چاہیے؟ یہ قانون جذباتی اور جوشیلے شخص کے لیے اچھا ہوسکتا ہے مگر میں تو منطقی شخص ہوں مجھے دوسروں کا خیال کرنے میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔

■ خودغرضی سے لطفِ حیات: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اوروں کو لُوٹنا خودغرضی ہے۔ یہ ٹھیک

ہے کہ یہ خودغرضانہ فعل ہے لیکن مجھے خودغرض کیوں نہیں ہونا چاہیے؟ خودغرضی مجھے زندگی سے لطف اندوز ہونے میں مدد دیتی ہے۔

■ **ڈاکہ زنی بہرحال بُرا کام ہے:** یہ ثابت کرنے کے تمام دلائل کہ ڈاکہ زنی ایک بُرا کام ہے، بے کار ہیں۔ یہ ایک عام آدمی کو تو مطمئن کر سکتے ہیں لیکن میرے جیسے طاقتور اور بااثر مجرم کو نہیں۔ ان دلائل کا منطقی اور عقلی حوالوں سے دفاع نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کوئی حیران کن بات نہیں کہ اس دنیا میں بہت سے مجرم ہیں۔ اسی طرح زنا بالجبر اور دھوکہ دہی وغیرہ کو بھی میرے جیسے شخص کے لیے اچھا ثابت کیا جا سکتا ہے اور کوئی منطقی دلیل موجود نہیں جو مجھے قائل کر سکے کہ یہ بُرے کام ہیں۔

مسلمان کا مجرم کو قائل کرنا

آیئے اب کردار بدلتے ہیں۔ فرض کیجیے کہ آپ بہت طاقتور اور بااثر مجرم ہیں۔ آپ نے پولیس اور وزیروں کو بھی پیسے سے خرید رکھا ہے اور آپ کی حفاظت کے لیے ٹھگوں کی فوج موجود ہے۔ لیکن میں بحیثیت مسلمان آپ کو قائل کر سکتا ہوں کہ ڈاکہ زنی، زنا بالجبر اور دھوکہ دہی وغیرہ بُرے کام ہیں۔ اگر میں بھی وہی دلائل دوں جو پہلے دیے جا چکے ہیں کہ ڈاکہ زنی ایک بُرا کام ہے تو مجرم وہی جواب دے گا جو پہلے دے چکا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مجرم کے منطقی ہونے کے باوجود اس کے تمام دلائل صرف اس وقت تک ہی صحیح ہیں جب وہ بہت طاقتور اور بااثر ہو۔ لیکن اگر اس کے اوپر اس سے کہیں زیادہ طاقتور ایک ہستی موجود ہے، اور یقیناً ہے، تو صورتِ حال بدل جاتی ہے۔

■ **مجرم بھی انصاف چاہتا ہے:** ہر انسان انصاف کا آرزومند ہے۔ اگر دوسروں کے لیے نہیں تو کم از کم اپنے لیے ضرور انصاف چاہتا ہے۔ بہت سے لوگ طاقت اور اختیارات کے

نشے میں دوسروں کو دکھ اور تکلیف پہنچاتے ہیں، تاہم وہ لوگ بھی اس وقت یقیناً اعتراض کرتے ہیں جب خود ان سے بے انصافی کی جاتی ہے۔ ایسے لوگ دوسروں کی تکالیف سے بے خبر ہوتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ طاقت اور اختیارات کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ طاقت اور اختیارات انھیں نہ صرف دوسروں سے ناانصافی کرنے کی اجازت دیتے ہیں بلکہ ان کو دوسروں کے ظلم سے بھی بچاتے ہیں۔

■ **سب سے طاقتور اور عادل:** بحیثیت مسلمان میں ایک مجرم کو اللہ تعالیٰ کے وجود کا قائل کروں گا اور کہوں گا کہ اللہ تم سے کہیں زیادہ طاقتور اور انصاف کرنے والا ہے۔ قرآنِ عظیم کہتا ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ﴾

''بلاشبہ اللہ (کسی پر) ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔''[1]

■ **اللہ مجھے سزا کیوں نہیں دیتا؟:** ایک مجرم کے روبرو جب وجود باری تعالیٰ کے بارے میں قرآن سے سائنسی حقائق پیش کیے جائیں تو منطقی اور سائنسی نقطۂ نظر رکھنے کے باعث وہ اتفاق کرتا ہے کہ اللہ موجود ہے۔ لیکن وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر اللہ طاقتور اور عادل ہے تو پھر مجھے سزا کیوں نہیں دیتا؟

■ **بے انصاف لوگوں کو سزا ملنی چاہیے:** ہر وہ شخص جس سے بے انصافی ہوئی ہو، چاہے اُس کا سماجی یا معاشی مرتبہ کچھ بھی ہو، وہ چاہے گا کہ بے انصافی کے مرتکب شخص کو سزا ملے۔ ہر معقول شخص چاہے گا کہ ڈاکو یا عصمت دری کے مرتکب کو سبق سکھایا جائے۔ اگرچہ مجرموں کی ایک بڑی تعداد کو سزا دی جاتی ہے، اس کے باوجود بہت سے مجرم ایسے بھی ہوتے ہیں جو محاسبے سے بچ جاتے ہیں۔ وہ بڑی خوشگوار اور عیش کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر کسی طاقتور اور

[1] النساء 4:40

بااختیار شخص کے ساتھ کوئی ایسا طاقتور اور بااختیار شخص بے انصافی کرے جو اُس سے بڑھ کر طاقتور ہوتو وہ بھی چاہے گا کہ بے انصافی کے مرتکب شخص کو سزا دی جائے۔

- **عاقبت کے لیے آزمائش:** انسان کی یہ زندگی موت کے بعد کی زندگی کے لیے امتحان ہے۔قرآن مجید کہتا ہے:

﴿ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلْمَوْتَ وَٱلْحَيَوٰةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْغَفُورُ ۝٢﴾

''وہ (اللہ) جس نے موت اور زندگی تخلیق کی ہے تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے، اور وہ بڑا زبردست اور بہت بخشنے والا ہے۔''[1]

- **یومِ حساب کو آخری انصاف:** قرآن عظیم میں ہے:

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ ٱلْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَـٰمَةِ ۖ فَمَن زُحْزِحَ عَنِ ٱلنَّارِ وَأُدْخِلَ ٱلْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَآ إِلَّا مَتَـٰعُ ٱلْغُرُورِ ۝١٨٥﴾

''اور ہر ذی روح موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔اور قیامت کے دن تمھیں تمھارے بدلے پورے پورے دیے جائیں گے، پھر جو شخص (جہنم کی) آگ سے بچ گیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہ کامیاب رہا۔اور یہ دُنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔''[2]

آخری انصاف یومِ حساب کو ہوگا۔ جب ایک شخص مر جائے گا تو اس کے بعد قیامت کے دن اُسے دوسرے انسانوں کے ساتھ دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہ ممکن ہے کہ کسی مجرم کو اس کی سزا کا کچھ حصہ اس دنیا میں مل جائے لیکن آخری جزا اور سزا اس کو دوسری زندگی ہی میں ملے گی۔ممکن ہے اللہ کسی ڈاکو یا زنا بالجبر کے مجرم کو اس دنیا میں سزا نہ دے لیکن وہ قیامت کے دن

---

[1] الملك :2/67 [2] ال عمران :185/1

یقیناً جوابدہ ہوگا اور پُوری پُوری سزا پائے گا۔

ہٹلر کو سزا کیونکر؟

کہا جاتا ہے کہ جرمن آمر ایڈولف ہٹلر نے اپنے پُر دہشت دورِ حکومت میں لاکھوں یہودیوں کو گیس چیمبروں میں جلا کر خاک کر دیا۔ جرمنی کی شکست کے بعد پولیس اس کو گرفتار بھی کر لیتی تو انسانی قوانین کے تحت اس کو کیا سزا دی جاتی جس سے انصاف کا تقاضا پورا ہوتا؟ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے تھے کہ اس کو بھی گیس چیمبر میں ڈال دیتے لیکن یہ تو صرف ایک یہودی کو مارنے کی سزا ہوتی۔ باقی لاکھوں یہودیوں کے قتل کا بدلہ کیسے لیا جاتا؟ اس کا جواب قرآن دیتا ہے۔

ہٹلر کو دوزخ کی سزا

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ بِـَٔايَـٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَـٰهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُواْ ٱلْعَذَابَ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾﴾

''بلا شبہ جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں، ان کو ہم جلد آگ میں ڈالیں گے جب ان کی کھالیں جل جائیں گی، تو پھر ہم ان کو نئی کھالوں میں تبدیل کر دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھ سکیں۔ بے شک اللہ سب سے طاقتور اور خوب حکمت والا ہے۔[1]

لہٰذا اگر اللہ چاہے گا تو ہٹلر کو دوزخ کی آگ میں تا ابد جلایا جاتا رہے گا۔

---

[1] النساء: 56/4

اچھائی یا برائی کا تصور

اس پوری بحث سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ کسی شخص کو آخرت یا موت کے بعد کی زندگی کے تصور کا قائل کیے بغیر انسانی اقدار اور اعمال کے اچھے یا بُرے ہونے کے تصور کا قائل نہیں کیا جاسکتا، بالخصوص جب وہ بااثر اور طاقتور بھی ہو۔ [1]

[1] آخرت کے تصور کے لیے قرآن نے جابجا مُردوں کو زندہ کرنے کا ذکر کیا ہے۔ حیوانات اور نباتات کے دوبارہ زندہ ہونے کی مثالیں جگہ جگہ مذکور ہیں۔ سورۂ بقرۃ میں پانچ مقامات پر مُردوں کے زندہ ہونے کا ذکر ہے جبکہ زمین کے مردہ (بنجر) ہونے کے بعد اس کی دو بارہ زندگی ہر انسان کے مشاہدے میں ہے، لہذا قیامت کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے سے کوئی دانا اور سمجھدار انکار نہیں کرسکتا۔ (ادارہ)

ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت کس لیے؟

(Polygamy)

''اسلام میں ایک آدمی کو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت کیوں دی گئی ہے؟ یا اسلام میں مرد کو متعدد شادیوں کی کیوں اجازت ہے؟''

کثیر ازواجی یا تعددِ ازواج سے مراد شادی کا ایسا نظام ہے جس میں ایک شخص ایک سے زیادہ شریکِ زندگی رکھ سکتا ہے۔ کثیر ازواجی دو قسم کی ہے: ① کثیر ازواجی زنانہ: جس میں ایک مرد ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرسکتا ہے۔ ② کثیر ازواجی مردانہ: جس میں ایک عورت ایک سے زیادہ شوہر رکھ سکتی ہے۔ اسلام میں محدود حد تک زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت ہے جبکہ ایک عورت کو ایک سے زیادہ شوہر رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

کثیر ازواجی مختلف مذاہب میں

اب اصل سوال کی طرف آتے ہیں کہ اسلام ایک آدمی کو ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت کیوں دیتا ہے؟

قرآن دنیا میں واحد مذہبی کتاب ہے جس میں تحریر ہے: ''صرف ایک سے شادی کرو۔'' کسی دوسری مذہبی کتاب میں یہ ہدایت نہیں کی گئی کہ صرف ایک بیوی رکھو۔ چاہے

ہندوؤں کے وید، رامائن، مہا بھارت یا گیتا ہوں، یا یہودیوں کی تالمود یا عیسائیوں کی بائبل ہو، ان کتابوں کے مطابق ایک آدمی جتنی شادیاں چاہے کرسکتا ہے۔ یہ تو بہت بعد کی بات ہے کہ ہندو پنڈتوں اور عیسائی کلیسا نے بیویوں کی تعداد ایک تک محدود کر دی۔

بہت سی ہندو مذہبی شخصیات جن کا ان کی کتابوں میں ذکر ہے، ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے تھے۔ رام کے باپ راجہ دسرتھ کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں، اسی طرح کرشن کی بہت سی بیویاں تھیں۔

شروع میں عیسائی مردوں کو بھی اجازت تھی کہ وہ جتنی چاہے بیویاں رکھ سکتے ہیں کیونکہ بائبل میں بیویوں کی تعداد کے بارے میں کوئی پابندی نہیں۔ یہ تو محض چند صدیوں پہلے ہوا کہ چرچ نے بیویوں کی تعداد محدود کر کے ایک کر دی۔

یہودیت میں بھی ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت ہے۔ یہودیوں کے تالمودی قانون کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سینکڑوں۔[1] کثیر ازواجی اس وقت تک جاری رہی جب ربّی گرشوم بن یہودا (960ء تا 1030ء) نے ایک فرمان کے ذریعے سے زیادہ شادیوں پر پابندی لگا دی مگر مسلم ممالک میں رہنے والے سیفارڈی یہودیوں نے 1950ء تک اس پر عمل درآمد جاری رکھا حتی کہ

---

[1] بائبل کی اس بات کی تصدیق درج ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ میں آج رات اپنی نوے بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ان میں سے ہر ایک، ایک سوار جنے گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا۔ آپ کے کسی ساتھی نے کہا: ان شاء اللہ کہیں مگر انھوں نے یہ نہ کہا تو اُن میں سے کوئی بھی حاملہ نہ ہوئی سوائے ایک کے، اور اس نے بھی ادھورا بچہ جنا۔ اس پروردگار کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! اگر وہ ان شاء اللہ کہہ لیتے تو سب کے ہاں بچے ہوتے اور وہ سوار ہو کر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔''

(صحیح البخاری، الأیمان والنذور، باب کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث:6639)

اسرائیل کے دفتر پیشوائے اعلیٰ (Chief Rabbinate) نے ایک سے زیادہ شادیوں پر پابندی کا دائرہ بڑھا دیا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ 1975ء کی بھارتی مردم شماری میں یہ بات سامنے آئی کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کی نسبت زیادہ شادیاں کی ہیں۔ ''کمیٹی برائے اسلام میں عورت کا مقام'' کی رپورٹ جو 1975ء میں شائع ہوئی اس کے صفحات 66-67 میں بتایا گیا کہ 1961ء سے 1991ء تک کے دوران میں ایک سے زیادہ شادیوں کے لیے ہندوؤں کا تناسب 5.06% جبکہ مسلمانوں کا 4.31% تھا۔ بھارت کے قانون کے مطابق صرف مسلمانوں کو ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت ہے۔ وہاں کسی غیر مسلم کے لیے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا غیر قانونی ہے۔ اس کے باوجود کہ یہ غیر قانونی ہے، مسلمانوں کی نسبت ہندو زیادہ بیویاں رکھتے ہیں۔ پہلے بھارت میں بیویوں کی زیادہ تعداد کے بارے میں پابندی نہ تھی۔ 1954ء میں جب بھارت میں شادی کا قانون (میرج ایکٹ) پاس کیا گیا تو ہندوؤں کے لیے ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا غیر قانونی قرار پایا (یہ بات قانون میں ہے لیکن ہندو مذہب کی کسی کتاب میں نہیں)۔

اب ہم جائزہ لیتے ہیں کہ اسلام ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت کیوں دیتا ہے؟

قرآن محدود تعداد میں عورتوں سے شادی کی اجازت دیتا ہے

جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ قرآن کرۂ ارض پر واحد کتاب ہے جو یہ کہتی ہے کہ ''صرف ایک سے شادی کرو۔'' قرآن عظیم کی سورۃ النساء میں اس بات کو اس پیرائے میں بیان کیا گیا ہے:

﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً﴾

''چنانچہ تم ان عورتوں سے شادی کرو جو تمھیں اچھی لگیں دو دو، تین تین یا چار چار (عورتوں) سے، لیکن اگر تم کو اس کا خوف ہو کہ تم (ان کے ساتھ) انصاف نہ کرسکو گے تو صرف ایک سے (نکاح کرو)۔''[1]

نزولِ قرآن سے پہلے شادیوں کی تعداد محدود نہ تھی اور کئی مرد بیسیوں بیویاں رکھتے تھے۔ اور بعض کی تو سینکڑوں بیویاں تھیں۔ لیکن اسلام نے بیویوں کی تعداد 4 تک محدود رکھی ہے۔ اسلام مرد کو دو، تین یا چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دیتا ہے بشرطیکہ وہ ان میں انصاف کرسکے۔

اسی سورت، یعنی سورۂ نساء کی 129 ویں آیت کہتی ہے:

﴿وَلَن تَسۡتَطِيعُوٓاْ أَن تَعۡدِلُواْ بَيۡنَ ٱلنِّسَآءِ﴾

''تم عورتوں کے درمیان انصاف نہ کرسکو گے۔''[2]

اس لیے زیادہ شادیاں کرنا کوئی قانون نہیں بلکہ استثنا ہے۔ بہت سے لوگ یہ غلط نظریہ رکھتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ ایک مسلمان ایک سے زیادہ بیویاں رکھے۔

حلّت وحرمت کے اعتبار سے اسلامی احکام کی پانچ اقسام ہیں:

- فرض: یہ لازمی ہے اور اس کا نہ کرنا باعث سزا و عذاب ہے۔
- مستحب: اس کا حکم دیا گیا ہے اور اس پر عمل کی ترغیب دی گئی ہے۔
- مباح: یہ جائز ہے، یعنی اس کی اجازت دی گئی ہے۔ اس کا کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔
- مکروہ: یہ اچھا کام نہیں، اس پر عمل کرنے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔
- حرام: اس سے منع کیا گیا ہے، یعنی اس پر عمل کرنا حرام ہے اور اس کا چھوڑنا باعثِ ثواب ہے۔

ایک سے زیادہ شادیاں کرنا مذکورہ احکام کے درمیانے درجے میں ہے۔ اس کی اجازت

---

[1] النساء 4:3/ [2] النساء 4:129/

ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایک مسلمان جس کی دو، تین یا چار بیویاں ہیں، اُس سے بہتر ہے جس کی صرف ایک بیوی ہے۔

عورتوں کی اوسط عمر

قدرتی طور پر لڑکے اور لڑکیاں تقریباً برابر پیدا ہوتے ہیں لیکن ایک بچی میں ایک بچے کی نسبت قوتِ مدافعت زیادہ ہوتی ہے۔ ایک بچی بیماریوں کا ایک بچے کی نسبت بہتر مقابلہ کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائی عمر میں لڑکوں کی شرح اموات لڑکیوں کی نسبت زیادہ ہے۔

اسی طرح جنگوں میں عورتوں کی نسبت مرد زیادہ ہلاک ہوتے ہیں۔ حادثات اور امراض کے باعث بھی عورتوں کی نسبت مرد زیادہ مرتے ہیں۔ عورتوں کی اوسط عمر بھی مردوں کی نسبت زیادہ ہے اور دنیا میں رنڈوے مردوں کی نسبت بیوہ عورتیں زیادہ ہوتی ہیں۔

بھارت میں نسوانی جنین اور لڑکیوں کا قتل

بھارت اور اس کے ہمسایہ ممالک ان چند ممالک میں شامل ہیں جہاں عورتوں کی آبادی مردوں سے کم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بھارت میں بچپن ہی میں لڑکیوں کو ہلاک کرنے کی شرح بہت زیادہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہاں لاکھوں عورتیں حمل کے طبی معاینے میں لڑکی کا علم ہونے پر اسقاط کروا دیتی ہیں۔ اس طرح ہر سال 10 لاکھ سے زیادہ بچیاں قبل از ولادت ہی موت کے گھاٹ اُتار دی جاتی ہیں۔ اگر اس سفاکی کو روک دیا جائے تو بھارت میں بھی عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت زیادہ ہوگی۔

عالمی سطح پر عورتوں کی آبادی مردوں کی نسبت زیادہ ہے

امریکہ میں عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت تقریباً 78 لاکھ زیادہ ہے۔ صرف نیویارک

میں عورتیں مردوں سے 10 لاکھ زیادہ ہیں، نیز مردوں کی ایک تہائی تعداد ہم جنس پرست ہے۔ مجموعی طور پر امریکہ میں ہم جنس پرستوں کی تعداد اڑھائی کروڑ ہے۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو عورتوں سے شادی کی خواہش نہیں، اسی طرح برطانیہ میں عورتوں کی تعداد مردوں سے 40 لاکھ زیادہ ہے۔ جرمنی میں مردوں کی نسبت عورتیں 50 لاکھ زیادہ ہیں، اسی طرح روس میں بھی مردوں کے مقابلے میں عورتیں 90 لاکھ زیادہ ہیں۔ فی الجملہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ دنیا میں مجموعی طور پر خواتین کی تعداد مردوں کی نسبت کتنی زیادہ ہے۔

ہر مرد کو صرف ایک شادی تک محدود رکھنا ناقابلِ عمل ہے

اگر ایک مرد صرف ایک عورت سے شادی کرے تب بھی امریکہ میں تین کروڑ عورتیں بے شوہر رہیں گی (یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اڑھائی کروڑ امریکی مرد ہم جنس پرست ہیں۔) اسی طرح 40 لاکھ برطانیہ میں، 50 لاکھ جرمنی میں اور 90 لاکھ روس میں ایسی عورتیں ہوں گی جنھیں خاوند نہیں مل سکے گا۔

فرض کریں کہ میری بہن امریکہ میں رہنے والی غیر شادی شدہ خواتین میں سے ہے یا فرض کریں آپ کی بہن وہاں اس حالت میں رہ رہی ہے۔ اس مسئلے کے صرف دو حل ہیں کہ یا تو وہ کسی شادی شدہ مرد سے شادی کرے یا پھر ''پبلک پراپرٹی'' (اجتماعی ملکیت) بنے۔ اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔ جو عورتیں نیک ہیں وہ یقیناً پہلی صورت کو ترجیح دیں گی۔ بہت سی خواتین دوسری عورتوں کے ساتھ اپنے شوہر کی شراکت پسند نہیں کرتیں۔ لیکن اسلامی معاشرے میں جب صورتحال گمبھیر اور پیچیدہ ہو تو ایک صاحبِ ایمان عورت اپنا معمولی ذاتی نقصان برداشت کر سکتی ہے مگر اس بڑے نقصان کو برداشت نہیں کر سکتی کہ اُس کی دوسری مسلمان بہنیں ''پبلک پراپرٹی''، یعنی اجتماعی ملکیت بن کر رہیں۔

شادی شدہ مرد سے شادی اجتماعی ملکیت بننے سے بہتر ہے۔ مغربی معاشرے میں عام طور پر ایک شادی شدہ مرد اپنی بیوی کے علاوہ دوسری عورتوں سے بھی جنسی تعلقات رکھتا ہے۔ ایسی صورت میں عورت ہتک آمیز زندگی بسر کرتی اور عدمِ تحفظ کا شکار رہتی ہے۔ دوسری طرف یہی معاشرہ ایسے مرد کو جس کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوتی ہیں قبول نہیں کرتا، حالانکہ اس تعددِ ازواج کی صورت میں عورت پوری عزت اور حفاظت کے ساتھ نہایت باوقار زندگی بسر کرسکتی ہے۔ اس طرح عورت کے سامنے دو راستے رہ جاتے ہیں: یا تو وہ شادی شدہ مرد سے شادی کرے یا ''اجتماعی ملکیت'' بن جائے۔ اسلام پہلی صورت کو ترجیح دیتے ہوئے اسے باعزت مقام دِلاتا ہے اور دوسری صورت کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی اسباب ہیں جن کے پیشِ نظر اسلام مرد کو ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دیتا ہے۔ ان اسباب میں اصل اہمیت کی چیز عورت کی عزت و ناموس ہے جس کی حفاظت اسلام کے نزدیک فرض اور لازم ہے۔

ایک سے زیادہ شوہروں کی ممانعت کیوں؟

(Polyandry)

''اگر اسلام ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت دیتا ہے تو وہ ایک عورت کو ایک سے زیادہ شوہر رکھنے کی اجازت کیوں نہیں دیتا؟''

بہت سے لوگ جن میں بعض مسلمان بھی شامل ہیں اس امر کی دلیل مانگتے ہیں کہ جب ایک مسلمان مرد کو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت ہے تو یہی ''حق'' عورت کو کیوں نہیں دیا گیا؟

سب سے پہلے میں یہ کہوں گا کہ اسلامی معاشرے کی بنیاد عدل اور مساوات ہے۔ اللہ نے مرد اور عورت کو برابر پیدا کیا ہے لیکن مختلف صلاحیتوں اور ذمہ داریوں کے ساتھ۔ مرد اور عورت جسمانی اور نفسیاتی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اس لیے کہ ان کے کردار اور ذمہ داریاں بھی مختلف ہیں۔ مرد اور عورت اسلام میں برابر ہیں لیکن ہو بہو ایک جیسے نہیں۔

سورۂ نساء کی آیات 22 تا 24 میں ان عورتوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن سے مسلمان مرد شادیاں نہیں کر سکتے، مزید برآں آخری آیت 24 کے مطابق ان عورتوں سے بھی شادی ممنوع ہے جو'' شادی شدہ'' ہوں۔ مندرجہ ذیل نکات یہ حقیقت واضح کرتے ہیں کہ اسلام عورت کو ایک سے زیادہ مرد رکھنے سے کیوں روکتا ہے:

① اگرایک آدمی کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان سے پیدا ہونے والے بچوں کے ماں باپ کی آسانی سے شناخت ممکن ہے۔اس صورت میں بچے کی ماں اور باپ کی پہچان ہو سکتی ہے۔ ایک سے زیادہ شوہر ہونے کی صورت میں پیدا ہونے والے بچوں کی ماں تو معلوم ہوتی ہے مگر باپ کا پتہ نہیں چل سکتا۔ اسلام ماں اور باپ دونوں کی پہچان کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ ماہرینِ نفسیات کے نزدیک جو بچے اپنے والدین کونہیں جانتے، خاص طور پر اپنے باپ کو، وہ بہت زیادہ ذہنی تکلیف، بے چینی اور کشمکش کا شکار ہوتے ہیں اور اکثر ایسے بچوں کا بچپن ناخوشگوار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ طوائفوں کے بچوں کا بچپن صحت منداور خوشگوار نہیں ہوتا۔ ایسے تعلق سے پیدا ہونے والے بچے کو جب اسکول میں داخل کرایا جاتا ہےاوراس وقت ماں سے اس کے باپ کا نام پوچھا جاتا ہےتو اُسے دو یا اس سے زیادہ ناموں کا حوالہ دینا پڑتا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ موجودہ سائنسی ترقی کی بدولت جین ٹیسٹ کے ذریعے سے ماں اور باپ کی شناخت ہوسکتی ہے، اس لیے یہ نکتہ جو ماضی میں مؤثر تھا ممکن ہے کہ اب نہ ہولیکن بچوں کے ناخوشگوار بچپن اوران کی ذہنی تکلیف کا مسئلہ بدستور برقرار رہتا ہےاور یہ وراثت، یعنی باپ کی جائیداد وغیرہ کی تقسیم کے مسئلے میں بھی پیچیدگی کا باعث بنتا ہے۔

② مرد فطری طور پر عورتوں کی نسبت متعدد شادیوں کا زیادہ خواہشمند ہوتا ہے۔

③ جسمانی یا حیاتیاتی طور پر ایک مرد کے لیے کئی بیویاں رکھنے کے باوجوداپنے فرائض انجام دینا آسان ہوتا ہے جبکہ ایک عورت کے لیے جو ایک سے زیادہ شوہر رکھتی ہو بحیثیت بیوی اپنی ذمہ داریاں نبھانا ہرگز ممکن نہیں۔ ایک عورت ہر ماہواری کے دوران میں بہت سی نفسیاتی اور مزاج کی تبدیلیوں سے گزرتی ہے۔

④ ایک عورت جس کے ایک سے زیادہ شوہر ہوں، اسے بیک وقت ایک سے زیادہ مردوں سے جنسی تعلقات رکھنے پڑیں گے تو اس کو بہت سی جنسی بیماریاں لگ سکتی ہیں جو وہ اپنے

کسی شوہر کو منتقل کر سکتی ہے، چاہے اس کے تمام شوہروں کے دوسری خواتین سے غیر ازدواجی تعلقات نہ بھی ہوں لیکن یہ صورت حال مرد کو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی صورت میں پیش نہیں آتی۔

یہ تمام وہ ظاہری وجوہ ہیں جن کا آسانی سے علم ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے اور بھی بہت سی وجوہ ہوں جن کا علم دانائے راز، اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہی کو بہتر طور پر ہو کہ اس نے عورت کو ایک سے زیادہ شوہر رکھنے سے کیوں منع کیا ہے۔[1]

---

[1] اسلام نے عورت کو گھر کی ملکہ اور نگران بنایا ہے۔ وہ خاوند کی اولاد اور گھر کی دیکھ بھال کرتی ہے، اور یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک سے زیادہ گھروں کی دیکھ بھال کر سکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مرد کے اندر ایک فطری غیرت ہے، جو ہر سلیم الفطرت شخص کے اندر پائی جاتی ہے، کہ بیوی کے معاملے میں وہ کسی کی شراکت برداشت نہیں کرتا۔ یہ غیرت نہ صرف انسانوں میں ہے بلکہ حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہے کہ وہ بھی اس معاملے میں شراکت برداشت نہیں کرتے۔ جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عمرو بن میمون کے حوالے سے بندروں کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اسے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ میں یمن میں ایک ٹیلے پر اپنے خاندان کی بکریاں چرا رہا تھا کہ ایک بندر اور بندریا وہاں آئے۔ بندر نے بندریا کا بازو اپنے سر کے نیچے رکھا اور سو گیا۔ اس دوران ایک اور بندر آیا اور اس نے بندریا کو بہکایا اور وہ اس کے ساتھ چلی گئی اور تھوڑا دور جا کر انھوں نے بدکاری کی، پھر بندریا واپس آئی اور اپنا ہاتھ بندر کے سر کے نیچے داخل کرنا چاہا تو وہ جاگ اُٹھا۔ اس نے اسے سونگھا اور چلانے لگا۔ کئی بندر اکٹھے ہو گئے، وہ مسلسل چلائے جا رہا تھا اور اس بندریا کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ بندر ادھر ادھر گئے اور اس بندر کو لے آئے جس نے بدکاری کی تھی۔ انھوں نے ان دونوں کے لیے ایک گڑھا کھودا اور انھیں رجم کر دیا۔ (فتح الباری: 202/7، حدیث: 3859) اسی طرح خنزیر کے علاوہ تمام جانوروں میں یہ غیرت کی حس موجود ہے۔ جب حیوان برداشت نہیں کر سکتے کہ ان کی مؤنث کو کوئی اور نر جفتی کرے تو انسان اپنی شریکِ حیات میں شراکت کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ (عثمان منیب)

کیا حجاب عورت کا استحصال نہیں؟

''اسلام عورت کو پردے میں رکھ کر اس کی حیثیت کیوں گھٹاتا ہے؟''

سیکولر میڈیا میں اسلام میں عورت کی حیثیت کو اکثر نشانہ بنایا جاتا ہے۔ حجاب یا اسلامی لباس کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ عورت اسلامی شریعت کی محکوم اور باندی ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم اسلام کے حجاب کے حکم کا تجزیہ کریں، ہمیں اسلام سے پہلے کے معاشروں میں عورت کی حیثیت کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

زمانۂ قدیم میں عورت کی حیثیت

تاریخ سے لی گئی درج ذیل مثالیں واضح کرتی ہیں کہ قدیم تہذیبوں میں عورت کی حیثیت نہایت بے وقعت تھی اور اسے محض شہوانی جذبات کی تسکین کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا حتی کہ اسے بنیادی انسانی شرف وعزت سے بھی محروم کر دیا گیا تھا۔

- بابل کی تہذیب: اس تہذیب میں عورتوں کو گھٹیا سمجھا جاتا اور بابلی قوانین کے تحت وہ تمام حقوق سے محروم تھیں۔ اگر ایک آدمی قتل کا مرتکب ہوتا تو بجائے اس کے کہ اُسی کو سزا ملے، اس کی بیوی کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔

- یونانی تہذیب: یونانی تہذیب کو قدیم تہذیبوں میں بہترین اور شاندار تہذیب سمجھا جاتا ہے۔ اس ''شاندار'' تہذیب میں عورت تمام حقوق سے محروم تھی اور اسے حقیر سمجھا جاتا تھا۔ یونانی دیو مالائی کہانیوں میں ایک خیالی عورت جسے ''پنڈورا'' کہا جاتا تھا، اُسے انسانوں کی بدقسمتی کی بنیادی وجہ خیال کیا جاتا تھا۔ یونانی لوگ عورت کو مرد سے بہت کمتر سمجھتے تھے۔ اگرچہ عورت کی دوشیزگی کو قیمتی سمجھا جاتا اور عورتوں کو اس حوالے سے خاصی اہمیت دی جاتی تھی لیکن بعد میں یونانی تہذیب پر بھی انانیت اور جنسی بے راہ روی چھاگئی اور اس تہذیب میں ذوقِ طوائفیت عام ہوگیا۔
- رومی تہذیب: جب رومی تہذیب اپنی ''عظمت'' کی بلندیوں پر تھی، ایک مرد کو یہ اختیار بھی حاصل تھا کہ وہ اپنی بیوی کی جان لے سکتا تھا۔ طوائف بازی اور عریانیت اس معاشرے میں عام تھی۔
- مصری تہذیب: یہ تہذیب عورت کو مجسم برائی سمجھتی اور اُسے شیطنت کی علامت گردانتی تھی۔
- اسلام سے پہلے عرب کی تہذیب: عرب میں اسلام آنے سے پہلے عورت کو بہت حقیر سمجھا جاتا تھا اور جب لڑکی پیدا ہوتی تو اُسے بالعموم زندہ دفن کردیا جاتا۔

اسلام نے عورت کو مساوی درجہ دیا

اسلام نے عورت کو برابری کا درجہ دیا، اس کے حقوق کا تعین 1400 سال پہلے کردیا اور وہ توقع کرتا ہے کہ عورت اپنا یہ درجہ برقرار رکھے۔

مردوں کا حجاب

لوگ عام طور پر ''حجاب'' کو عورتوں کے تناظر میں زیرِ بحث لاتے ہیں لیکن قرآنِ عظیم میں

اللہ تعالیٰ مردوں کے حجاب کو عورتوں کے حجاب سے پہلے بیان کرتا ہے۔ سورۂ نور میں بیان کیا گیا ہے:

﴿قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا۟ مِنْ أَبْصَـٰرِهِمْ وَيَحْفَظُوا۟ فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرٌۢ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٣٠﴾﴾

''اور ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے بہت پاکیزگی کی بات ہے۔ اور اللہ اس کی خوب خبر رکھتا ہے جو کام تم کرتے ہو۔''[1]

لہٰذا جب ایک مرد کی نگاہ کسی غیر محرم خاتون پر پڑے تو اسے اپنی نظر جھکا لینی چاہیے۔

عورتوں کا حجاب

سورۂ نور کی اگلی آیت میں ہے:

﴿وَقُل لِّلْمُؤْمِنَـٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَـٰرِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ ءَابَآئِهِنَّ أَوْ ءَابَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَآئِهِنَّ أَوْ أَبْنَآءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ إِخْوَٰنِهِنَّ أَوْ بَنِىٓ أَخَوَٰتِهِنَّ أَوْ نِسَآئِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَـٰنُهُنَّ أَوِ ٱلتَّـٰبِعِينَ غَيْرِ أُو۟لِى ٱلْإِرْبَةِ مِنَ ٱلرِّجَالِ أَوِ ٱلطِّفْلِ ٱلَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا۟ عَلَىٰ عَوْرَٰتِ ٱلنِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾﴾

---

[1] النور: 30/24

''اور ایمان والی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنے سنگار کی نمائش نہ کریں، سوائے اس کے جو (ازخود) ظاہر ہو، اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں ڈالے رکھیں اور اپنے سنگار کی نمائش نہ کریں، مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ دادا پر یا اپنے شوہروں کے باپ دادا پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہروں کے (سوتیلے) بیٹوں پر، اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی (مسلمان) عورتوں پر یا اپنے دائیں ہاتھ کی ملکیت (کنیزوں) پر یا عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے نوکر چاکر مردوں پر یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی چھپی باتوں سے واقف نہ ہوں۔''[1]

حجاب کا معیار

قرآن اور سنت کے مطابق پردے کے لیے چھ بنیادی معیار ہیں:

پہلا معیار یہ ہے کہ جسم کو مکمل طور پر ڈھانپنا چاہیے۔ یہ عورتوں اور مردوں کے لیے مختلف ہے۔ مرد کے لیے یہ معیار ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے جبکہ عورتوں کے لیے تمام جسم کا ڈھانپنا لازم ہے سوائے چہرے اور کلائی تک ہاتھوں کے۔ اور اگر ان کی خواہش ہو تو جسم کے ان حصوں کو بھی ڈھانپ سکتی ہیں۔ بعض علمائے کرام کے نزدیک ہاتھ اور چہرہ بھی لازمی پردے میں شامل ہیں۔ (اور یہی بات راجح ہے)

علاوہ ازیں مردوں اور عورتوں کے لیے حجاب کے پانچ یکساں معیار ہیں:

- کپڑے جو پہنے جائیں وہ ڈھیلے ڈھالے ہوں جو جسمانی اعضا کو نمایاں نہ کریں۔
- کپڑے اتنے باریک نہ ہوں کہ ان میں سے سب کچھ نظر آئے یا آسانی سے دیکھا جا سکے۔

---

[1] النور: 31/24

- لباس اتنا شوخ نہ ہو کہ جنسِ مخالف کو متوجہ کر سکے۔
- لباس ایسا نہ ہو جو جنسِ مخالف کے مشابہ ہو (یعنی عورتیں مردوں جیسے کپڑے نہ پہنیں اور مردوں کو چاہیے کہ عورتوں جیسا لباس نہ پہنیں)
- لباس غیر مسلموں کے لباس سے مشابہ نہ ہو، یعنی ایسا لباس نہ پہنیں جو غیر مسلموں کی مذہبی شناخت اور مخصوص علامت ہو۔

حجاب میں اخلاق اور شخصی طرزِ عمل بھی شامل ہیں

مکمل حجاب میں ان چھ بنیادی معیاروں کے علاوہ اخلاقی کردار، سماجی رویے، وضع قطع اور شخصی ارادے کا بھی دخل ہے۔ حجاب کو صرف لباس کے معیار کی حد تک سمجھنا محدود سوچ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آنکھوں، دِل، سوچ اور ارادے اور نیت کا حجاب بھی ضروری ہے۔ اس میں انسان کے چلنے کا طریقہ، گفتگو کا سلیقہ اور رویے کا اظہار بھی شامل ہے۔

حفاظتی حصار

حجاب چھیڑ چھاڑ سے بچاتا ہے۔ آخر عورت کے لیے پردے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ اس کی وجہ سورۃ الاحزاب میں بیان کی گئی ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٥٩﴾﴾

''اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ (گھر سے باہر) اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو گرا لیا کریں۔ یہ (بات) ان کے لیے قریب تر ہے کہ وہ (حیادار مومنات کے طور پر) پہچانی جا سکیں اور انھیں ایذا نہ

دی جائے (کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کر سکے) اور اللہ بہت معاف کرنے والا اور نہایت مہربان ہے۔''[1]

قرآن سے واضح ہے کہ عورتوں کو پردے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ باحیا عورتوں کی حیثیت سے پہچانی جائیں اور مردوں کی شرارتوں اور چھیڑ خانیوں سے محفوظ رہیں۔

مغرب میں عورت کا استحصال

مغربی تہذیب عورت کی جس آزادی اور آزاد خیالی کی بلند آہنگ وکالت کرتی ہے وہ اس کے جسمانی استحصال، اس کی روحانی تحقیر اور اس کی عزت کی بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ مغربی تہذیب عورت کا درجہ بلند کرنے کا بڑا چرچا کرتی ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مغربی تہذیب نے عورت کی عزت کو پامال کر دیا ہے۔ اُسے عورت کے شرف و منزلت سے گرا دیا ہے، اُسے داشتہ اور محبوبہ بنا دیا ہے۔ مغربی تہذیب میں عورت، عورت نہیں ہے، رنگین تتلی ہے، حصول لذت کا کھلونا ہے۔ مغرب نے عورت کو نیلام کا مال بنا دیا ہے۔ نام نہاد ''فن'' اور ''ثقافت'' کی آڑ میں عورت کا شرمناک استحصال کیا جا رہا ہے۔

امریکہ میں ریپ

امریکہ کو دنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے لیکن دنیا بھر میں عورتوں کی سب سے زیادہ آبروریزی بھی وہیں ہوتی ہے۔ ایف بی آئی کی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں صرف 1990ء میں روزانہ عصمت دری کے اوسطاً 1756 مقدمات درج ہوئے۔ بعد کی ایک اور رپورٹ کے مطابق امریکہ میں روزانہ تقریباً 1900 کی اوسط سے عصمت دری کے واقعات

---

[1] الأحزاب 59/33:

پیش آئے۔ سال نہیں بتایا گیا، ہوسکتا ہے 1992ء یا 1993ء ہو، مزید برآں ہوسکتا ہے اس کے بعد امریکی جبری بدکاریوں میں اور زیادہ نڈر ہو گئے ہوں۔ ذرا چشم تصور سے دیکھیے:

میں آپ کے سامنے امریکہ کا ایک منظر پیش کرتا ہوں جہاں مسلم خاندانوں میں پردہ کیا جاتا ہے۔ جب بھی کوئی آدمی کسی عورت کو پردے میں یا اسلامی حجاب میں بُری نگاہ سے دیکھتا ہے یا کوئی شرمناک خیال اُس کے ذہن میں آتا ہے تو وہ اپنی نگاہ نیچی کر لیتا ہے۔ ہر عورت اسلامی حجاب پہنتی ہے جس میں اس کا تمام جسم ڈھکا ہوا ہے سوائے چہرے اور کلائی تک ہاتھوں کے۔ اس کے بعد اگر کوئی زنا بالجبر کرتا ہے تو اُسے سزائے موت دی جاتی ہے۔[1]

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اس پس منظر میں امریکہ میں عصمت دری کے واقعات بڑھیں گے، اسی طرح رہیں گے یا کم ہو جائیں گے؟

اسلامی شریعت کا نفاذ

فطری طور پر اسلامی شریعت کا نفاذ ہوتے ہی مثبت نتائج ناگزیر ہوں گے۔ اگر دنیا کے کسی بھی ملک میں چاہے وہ امریکہ ہو یا یورپ، اسلامی قوانین کا نفاذ کیا جائے تو معاشرہ سکون کا سانس لے گا۔ اسلامی حجاب عورت کا مرتبہ کم نہیں کرتا بلکہ اونچا کرتا ہے اور اس کی حیاداری اور پاکدامنی کی حفاظت کا ضامن ہے۔

[1] زنا کی سزا کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

مرد اور عورت کی گواہی میں مساوات کیوں نہیں؟

''دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر کیوں ہے؟''

دو عورتوں کی گواہی ہمیشہ ایک مرد کی گواہی کے برابر نہیں۔ قرآن مجید میں تین آیات ہیں جن میں مرد اور عورت کی تفریق کے بغیر گواہی کے احکام آئے ہیں:

- وراثت کے متعلق وصیت کرتے وقت دو عادل اشخاص کی گواہی کی ضرورت ہوتی ہے۔

سورۂ مائدہ میں قرآنِ عظیم کہتا ہے:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ شَهَـٰدَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ حِينَ ٱلْوَصِيَّةِ ٱثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ ءَاخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى ٱلْأَرْضِ فَأَصَـٰبَتْكُم مُّصِيبَةُ ٱلْمَوْتِ ۚ﴾

''اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو تمھارے درمیان گواہی ہونی چاہیے، ترکے کی وصیت کے وقت دو انصاف والے اپنے (مسلمانوں) میں سے گواہ بنا لو یا اگر تم زمین میں سفر پر نکلو اور (راستے میں) موت کی مصیبت پیش آ جائے تو غیر قوم کے دو (گواہ بھی کافی ہوں گے)۔''[1]

[1] المائدة: 106/5

- طلاق کے معاملے میں دو عادل اشخاص کو گواہ بنانے کا حکم ہے۔

﴿وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ﴾

''اورتم اپنے میں سے دو اشخاص کو گواہ بنالو جو عادل ہوں اور اللہ کے لیے گواہی دو۔''[1]

- پاکباز عورت کے خلاف گواہی کے لیے چار شہادتیں درکار ہیں:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٤﴾﴾

''اور جو لوگ پاکباز عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر وہ چار گواہ پیش نہ کرسکیں (اپنے الزام کی تصدیق میں) تو ان کو 80 کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ اور یہی لوگ نافرمان ہیں۔''[2]

مالی لین دین میں عورت کی گواہی

یہ صحیح نہیں کہ ہمیشہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہوگی۔ یہ صرف چند معاملات کے لیے ہے۔ قرآن میں 5 آیات ہیں جن میں گواہی کے بارے میں مرد اور عورت کی تخصیص کے بغیر حکم دیا گیا ہے۔ اور صرف ایک آیت ہے جس میں کہا گیا ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ یہ سورۂ بقرہ کی آیت 282 ہے۔ مالی معاملات کے متعلق یہ قرآن کی سب سے لمبی آیت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ

---

[1] الطلاق: 2/65 [2] النور: 4/24

شَيْـًٔا ۚ فَإِن كَانَ ٱلَّذِى عَلَيْهِ ٱلْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُۥ بِٱلْعَدْلِ ۚ وَٱسْتَشْهِدُوا۟ شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ ۖ فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَٱمْرَأَتَانِ مِمَّن تَرْضَوْنَ مِنَ ٱلشُّهَدَآءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَىٰهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَىٰهُمَا ٱلْأُخْرَىٰ ۚ﴾

''اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت کے لیے ایک دوسرے سے ادھار کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمھارے درمیان انصاف سے لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے، جیسے اللہ نے اسے سکھایا ہے اسے لکھنا چاہیے، اور وہ شخص لکھوائے جس کے ذمے قرض ہو اور اسے اپنے رب، اللہ سے ڈرنا چاہیے اور (لکھواتے وقت) وہ (مقروض) اس میں سے کوئی چیز کم نہ کرے۔ لیکن اگر وہ فرد جس کے ذمے قرض ہو، نادان یا ضعیف ہو یا لکھوا نہ سکتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ لکھوائے۔ اور تم اپنے مسلمان مردوں میں سے دو گواہ بنا لو، پھر اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جنھیں تم گواہوں کے طور پر پسند کرو (یہ اس لیے) کہ ایک عورت بھول جائے تو ان میں سے دوسری اُسے یاد دِلا دے۔''[1]

قرآن کی یہ آیت صرف مالی معاملات اور لین دین کے لیے ہے۔ اس قسم کے معاملات میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ معاہدے کو دونوں فریقوں کے مابین لکھا جائے اور دو گواہ بنائے جائیں اور یہ کوشش کی جائے کہ وہ صرف مرد ہوں۔ اگر دو مرد نہ مل سکیں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں کافی ہیں۔

اسلامی شریعت میں مالی معاملات میں دو مردوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اسلام مرد سے خاندان کی کفالت کی توقع کرتا ہے۔ چونکہ اقتصادی ذمہ داری مردوں پر ہے، اس لیے یہ

---

[1] البقرۃ 282/2:

توقع کی جاتی ہے کہ وہ لین دین میں عورتوں کی نسبت زیادہ علم وآگہی رکھتے ہیں۔ دوسری صورت میں ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں گی کہ اگر ایک غلطی پر ہو تو دوسری اُسے یاد دِلا دے۔ قرآن میں عربی لفظ ﴿تَضِلَّ﴾ کا مطلب ہے "غلطی پر ہونا" یا "بھول جانا"۔ یوں صرف مالی معاملات میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر رکھی گئی ہے۔

قتل کے مقدمات میں نسوانی گواہی

اس کے برعکس کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ عورتوں کی شہادت قتل کے معاملے میں بھی دوہری ہے، یعنی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے۔ اس قسم کے معاملات میں عورت، مرد کی نسبت زیادہ خوفزدہ ہوتی ہے۔ وہ اپنی جذباتی حالت کی وجہ سے پریشان ہو سکتی ہے، اسی لیے کچھ لوگوں کے نزدیک قتل کے مقدمات میں بھی دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے۔

کچھ علماء کے نزدیک دو عورتوں اور ایک مرد کی گواہی کی برابری تمام معاملات کے لیے ہے، اس سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا کیونکہ سورۂ نور میں ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی کے بارے میں واضح طور پر بتایا گیا ہے:

﴿وَٱلَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَٰجَهُمْ وَلَمْ يَكُن لَّهُمْ شُهَدَآءُ إِلَّآ أَنفُسُهُمْ فَشَهَٰدَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَٰدَٰتٍۭ بِٱللَّهِ ۙ إِنَّهُۥ لَمِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ۝٦ وَٱلْخَٰمِسَةُ أَنَّ لَعْنَتَ ٱللَّهِ عَلَيْهِ إِن كَانَ مِنَ ٱلْكَٰذِبِينَ ۝٧ وَيَدْرَؤُا۟ عَنْهَا ٱلْعَذَابَ أَن تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَٰدَٰتٍۭ بِٱللَّهِ ۙ إِنَّهُۥ لَمِنَ ٱلْكَٰذِبِينَ ۝٨ وَٱلْخَٰمِسَةَ أَنَّ غَضَبَ ٱللَّهِ عَلَيْهَآ إِن كَانَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ۝٩﴾

"اور جو لوگ اپنی بیویوں پر الزام لگائیں اور ان کے پاس کوئی گواہ نہ ہو سوائے ان کی اپنی ذات کے، تو ان میں سے ہر ایک کی شہادت اس طرح ہو گی کہ چار بار اللہ کی قسم

کھا کر کہے کہ بے شک وہ سچوں میں سے ہے۔ اور پانچویں بار یہ کہے: اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور اس عورت سے سزا تب ٹلتی ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بلاشبہ وہ (اس کا شوہر) جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ (شوہر) سچوں میں سے ہو تو اس (عورت) پر اللہ کا غضب ہو۔''[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گواہی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے، جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی تھیں، کم و بیش 2220 کے قریب احادیث مروی ہیں جو صرف ان کی واحد شہادت کی بدولت مستند ہیں۔ یہ اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ صرف ایک عورت کی گواہی بھی قبول کی جا سکتی ہے۔

بہت سے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ ایک عورت کی گواہی پہلی رات کا چاند دیکھنے کے لیے بھی کافی ہے۔ اندازہ کریں کہ روزہ رکھنے کے لیے جو اسلام کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے، ایک عورت کی گواہی کافی ہے اور اس کی گواہی پر تمام مسلمان مرد اور عورتیں روزہ رکھتے ہیں۔ کچھ فقہاء کے نزدیک آغازِ رمضان کے سلسلے میں ایک گواہی درکار ہے جبکہ اس کے ختم ہونے کے لیے دو گواہیاں ضروری ہوں گی۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ گواہی دینے والے مرد ہوں یا عورتیں۔

بعض معاملات میں عورتوں ہی کی گواہی کو ترجیح حاصل ہے

بعض معاملات میں صرف خاتون گواہ درکار ہوتی ہے، مثال کے طور پر عورتوں کے مسائل۔ عورت کی تدفین کے وقت غسل کے معاملات میں صرف عورت ہی کی گواہی مستند ہوگی۔ ایسے

---

[1] النور :24/6-9

معاملات میں مرد کی گواہی قبول نہیں کی جاسکتی۔

مالی معاملات میں مرد اور عورت کی گواہیوں میں نظر آنے والی عدم مساوات اسلام کے نزدیک کسی صنفی عدم مساوات کی بنیاد پر نہیں بلکہ یہ صرف معاشرے میں عورتوں اور مردوں کی مختلف نوعیت اور مختلف کرداروں کی بنا پر ہے جو اسلام نے اُن کے لیے متعین کیے ہیں۔

اسلام کا نظامِ وراثت غیر منصفانہ کیوں؟

''اسلامی قوانینِ وراثت میں عورت کا حصہ مرد کی نسبت آدھا کیوں ہے؟''

قرآن عظیم میں بہت سی آیات ہیں جن میں ورثے کی جائز تقسیم سے متعلق احکام بیان کیے گئے ہیں، مثلاً:

1) سورۂ بقرہ آیات: 180 اور 240

2) سورۂ نساء آیات: 7-9 اور آیات 19 اور 33

3) سورۂ مائدہ آیات: 106 تا 108

رشتہ داروں کا وراثت میں مخصوص حصہ

قرآن مجید میں 3 آیات ہیں جو واضح طور پر قریبی رشتہ داروں کے وراثت میں مقررہ حصے بیان کرتی ہیں، جن میں سے دو درج ذیل ہیں:

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ

وَوَرِثَهُۥٓ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ ٱلثُّلُثُۚ فَإِن كَانَ لَهُۥٓ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ ٱلسُّدُسُۚ مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِى بِهَآ أَوْ دَيْنٍۗ ءَابَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًاۚ فَرِيضَةً مِّنَ ٱللَّهِۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ⑪ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَٰجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ ٱلرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَۚ مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍۚ وَلَهُنَّ ٱلرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌۚ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ ٱلثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمۚ مِّنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍۗ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَٰلَةً أَوِ ٱمْرَأَةٌ وَلَهُۥٓ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَٰحِدٍ مِّنْهُمَا ٱلسُّدُسُۚ فَإِن كَانُوٓا۟ أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى ٱلثُّلُثِۚ مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّۚ وَصِيَّةً مِّنَ ٱللَّهِۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ⑫ ۞

"اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے متعلق وصیت کرتا ہے: مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔ پھر اگر (دو یا) دو سے زیادہ عورتیں ہی ہوں تو ان کے لیے ترکے میں دو تہائی حصہ ہے۔ اور اگر ایک ہی بیٹی ہو تو اس کے لیے آدھا حصہ، اور اس (مرنے والے) کے والدین میں سے ہر ایک کے لیے ترکے میں چھٹا حصہ ہے اگر اس کی اولاد ہو، لیکن اگر اس کی اولاد نہیں اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے اور اگر اس کے (ایک سے زیادہ) بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ (یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگی۔ تم نہیں جانتے کہ تمھارے والدین یا اولاد میں سے کون بلحاظ نفع تمھارے زیادہ قریب ہے۔ یہ (تقسیم) اللہ کی طرف سے مقرر ہے، بے شک اللہ خوب جاننے

والا بڑی حکمت والا ہے۔ اور جو کچھ تمھاری بیویاں چھوڑ جائیں اس میں تمھارا نصف حصہ ہے اگر ان کی کوئی اولاد نہ ہو، لیکن اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو ان کے ترکے میں تمھارا چوتھا حصہ ہے۔ (یہ تقسیم) ان کی وصیت پر عمل یا قرض کی ادائیگی کے بعد ہو گی۔ اور اگر تمھاری اولاد نہ ہو تو تمھارے ترکے میں تمھاری بیویوں کا چوتھا حصہ ہے، لیکن اگر تمھاری اولاد ہو تو تمھارے ترکے میں ان کا آٹھواں حصہ ہے۔ (یہ تقسیم) تمھاری وصیت پر عمل یا ادائیگیٔ قرض کے بعد ہو گی۔ اور اگر وہ آدمی جس کا ورثہ تقسیم کیا جا رہا ہو، اُس کا بیٹا ہو نہ باپ، یا ایسی ہی عورت ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ لیکن اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو وہ سب ایک تہائی حصے میں شریک ہوں گے۔ (یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہو گی جبکہ وہ کسی کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے تاکید ہے اور اللہ خوب جاننے والا بڑے حوصلے والا ہے۔“ [1]

مزید فرمایا:

﴿ يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ ٱللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي ٱلْكَلَٰلَةِ ۚ إِنِ ٱمْرُؤٌا۟ هَلَكَ لَيْسَ لَهُۥ وَلَدٌ وَلَهُۥٓ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَتَا ٱثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا ٱلثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانُوٓا۟ إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ ٱلْأُنثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ ٱللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا۟ ۗ وَٱللَّهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌۢ ﴿١٧٦﴾ ﴾

”(اے نبی!) لوگ آپ سے فتویٰ مانگتے ہیں، کہہ دیجیے: اللہ ”کلالہ“ کے بارے میں حکم دیتا ہے، اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لیے بھائی کے چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ہے، اور اگر بہن کی اولاد نہ ہو تو

[1] النساء: 4/11-12

اس کا بھائی اس کا وارث ہوگا۔ لیکن اگر بہنیں دو (یا زیادہ) ہوں تو بھائی کے ترکے میں ان کے لیے دو تہائی ہے۔ اور اگر کئی بھائی بہن، مرد اور عورتیں (وارث) ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہوگا۔ اللہ تمھارے لیے بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ۔ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔"[1]

عورت کا حصہ برابر بلکہ "دوگنا" بھی ہوسکتا ہے

وراثت کی اکثر صورتوں میں عورتوں کو مردوں سے نصف ملتا ہے، تاہم یہ ہمیشہ نہیں ہوتا۔ اگر مرنے والے کے ماں باپ یا کوئی بیٹا بیٹی نہ ہوں لیکن اخیافی (ماں کی طرف سے سگے) بھائی اور بہن ہوں تو دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اور اگر مرنے والے نے بچے چھوڑے ہوں تو ماں اور باپ دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

بعض صورتوں میں ایک عورت کو مرد کی نسبت دوگنا حصہ بھی مل سکتا ہے۔ اگر مرنے والی عورت ہو اور اس کے بچے اور بھائی بہن نہ ہوں اور اس کا شوہر اور ماں باپ وارث ہوں تو شوہر کو آدھی جائیداد جبکہ ماں کو تیسرا حصہ اور باپ کو باقی چھٹا حصہ ملے گا۔[2]

اس معاملے میں بھی ماں کا حصہ باپ سے دوگنا ہے۔

مردوں کی نسبت خواتین کا حصہ نصف کب ہے؟

یہ ٹھیک ہے کہ عام قاعدے کے مطابق عورتیں مرد کی نسبت وراثت میں آدھا حصہ لیتی

---

[1] النساء 4/176:

[2] علمائے وراثت کے نزدیک یہ مسئلہ "عمریتین" کے نام سے معروف ہے اور اس میں متوفیہ کی ماں کو خاوند کا حصہ ادا کرنے کے بعد باقی مال کا ایک تہائی ملتا ہے جبکہ باپ کو باقی مال کا دو تہائی ملتا ہے جو عورت کے حصے سے دوگنا ہی ہے، ڈاکٹر صاحب موصوف کی رائے درست معلوم نہیں ہوتی۔ دیکھیے: "فقہ المواریث" و "تفہیم المواریث" استاذ فاروق اصغر صارم

ہیں، مثلاً درج ذیل صورتوں میں:

- بیٹی کو وراثت میں بیٹے سے نصف ملے گا۔
- عورت کو آٹھواں حصہ ملے گا اور شوہر کو چوتھا، اگر مرنے والے/والی کی اولاد ہو۔
- عورت کو چوتھا حصہ اور شوہر کو آدھا ملے گا اگر مرحوم/مرحومہ کی اولاد نہ ہو۔
- اگر مرنے والے کے ماں باپ یا اولاد نہ ہو تو بہن کو بھائی کے کل ترکے کا نصف ملے گا۔

مرد کا حصہ دوگنا کیوں؟

اسلام میں خاندان کی کفالت کی ذمہ داری مرد پر ہے۔ شادی سے پہلے باپ یا بھائی کی ذمہ داری ہے کہ وہ عورت کی رہائش، لباس اور دوسری مالی ضروریات پوری کرے اور شادی کے بعد یہ ذمہ داری شوہر یا بیٹے کی ہے۔ اسلام مرد کو پابند کرتا ہے کہ وہ خاندان کی مالی ضروریات کا ذمہ دار ہے۔ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لیے اسے وراثت میں دوگنا حصہ ملتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ایک شخص ڈیڑھ لاکھ روپیہ چھوڑ کر مر جائے جس کی ایک بیٹی اور ایک بیٹا ہو تو بیٹے کو ایک لاکھ اور بیٹی کو 50 ہزار ملیں گے۔ ایک لاکھ روپے جو بیٹے کو ورثے میں ملیں گے وہ ان میں خاندان کی کفالت کا ذمہ دار ہے۔ اور ہوسکتا ہے وہ خاندان پر تمام رقم یا یوں کہیے 80 ہزار روپے خرچ کر دے۔ یوں درحقیقت اسے ورثے میں سے بہت کم حصہ ملے گا، یعنی 20 ہزار روپے۔ دوسری طرف بیٹی جس کو 50 ہزار ملیں گے وہ کسی پر ایک روپیہ بھی خرچ کرنے کی پابند نہیں۔ وہ تمام رقم خود رکھ سکتی ہے۔ کیا آپ وہ ایک لاکھ روپے لینے کو ترجیح دیں گے جن میں سے آپ کو 80 ہزار روپے یا زائد رقم اوروں پر خرچ کرنی پڑے یا وہ 50 ہزار روپے لیں گے جو مکمل طور پر آپ ہی کے ہوں؟

شراب کی ممانعت میں کیا حکمت ہے؟

''شراب کا استعمال اسلام میں کیوں حرام کیا گیا ہے؟''

قدیم وقتوں سے شراب انسانی معاشرے کے لیے مصیبت اور عذاب کا باعث بنتی چلی آ رہی ہے۔ آج بھی پوری دُنیا میں ان گنت انسانی جانیں اس اُم الخبائث کی نذر ہوتی ہیں اور لاکھوں انسان شراب نوشی کے نتیجے میں مصائب کا شکار ہوتے ہیں۔ معاشرے کے بہت سے مسائل کی جڑ یہی شرابِ خانہ خراب ہے۔ جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح، بڑھتی ہوئی ذہنی بیماریاں اور لاکھوں کی تعداد میں ٹوٹنے والے گھر شراب ہی کی تباہ کاریوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

قرآن میں شراب کی ممانعت

قرآنِ عظیم میں شراب کی ممانعت کا حکم مندرجہ ذیل آیت میں آیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾﴾

''اے ایمان والو! شراب، جوا، بُتوں کے آستانے اور فال کے تیر سب گندے کام ہیں۔ ان سے بچو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔''[1]

---

[1] المائدة : 90/5

بائبل میں شراب کی ممانعت

بائبل میں شراب نوشی کو مندرجہ ذیل فقرات میں منع کیا گیا ہے۔ عہد نامۂ عتیق کی کتاب امثال میں ہے:

''شراب ایک فریبی مشروب ہے۔ بلانوشی غضبناک ہے۔ جو بھی اس کے فریب میں آتا ہے یہ اُسے دیوانہ کر دیتی ہے۔''[1]

اور عہد نامہ جدید میں کہا گیا ہے:

''اور شراب میں دھت نہ رہو۔''[2]

شراب بدی کے خلاف مدافعاتی نظام کو معطل کرتی ہے

انسان کے دل و دماغ میں بُرائی سے روکنے والا نظام ہوتا ہے جسے نفس لوّامہ کہتے ہیں۔ یہ نفس لوّامہ انسان کو غلط کام کرنے سے روکتا ہے، مثلاً: ایک آدمی عام طور پر اپنے ماں باپ اور بڑوں سے بات کرتے وقت بُری زبان استعمال نہیں کرتا۔ اسے رفع حاجت کی ضرورت پیش آ جاتی ہے تو نفس لوامہ اسے اوروں کے سامنے ایسا کرنے سے روکتا ہے، اس لیے وہ بیت الخلا جاتا ہے یا دُور جا کر اوٹ میں قضائے حاجت سے فارغ ہوتا ہے۔

جب ایک شخص شراب پیتا ہے تو اُسے برائی سے روکنے والا نظام خود ہی رُک جاتا ہے، چنانچہ وہ ایسی حرکات کرتا ہے جو اس کے خصائل میں شامل نہیں ہوتیں، مثال کے طور پر وہ شراب کے نشے میں بُری اور غلیظ زبان استعمال کرتا ہے مگر وہ اپنی غلطی محسوس نہیں کر سکتا، خواہ

---

① امثال : 1/20

② اِفسیوں کے نام خط : 18/5

وہ اپنے ماں باپ ہی سے مخاطب ہو۔ بہت سے شرابی اپنے کپڑوں میں پیشاب بھی کر دیتے ہیں۔ وہ صحیح طریقے سے بات کر سکتے ہیں نہ ٹھیک طرح سے چل سکتے ہیں حتی کہ مار پیٹ پر بھی اُتر آتے ہیں۔

شراب خوری اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب

امریکی محکمۂ انصاف کے بیورو آف جسٹس کے ایک سروے کے مطابق امریکہ میں صرف 1996ء کے دوران میں زنا بالجبر کے روزانہ 2713 واقعات پیش آئے۔ اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ ان زانیوں میں اکثریت ان کی تھی جو ارتکاب جرم کے وقت نشے میں مدہوش تھے۔ عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کے زیادہ تر واقعات بھی مجرموں کی شراب نوشی کا نتیجہ تھے۔

اعداد وشمار کے مطابق 8 فیصد امریکی محرمات سے مباشرت کرتے ہیں، یعنی ہر بارہ میں سے ایک شخص اس گناہ میں ملوث ہے۔ ایسے تقریباً تمام واقعات میں کوئی ایک نشے میں ہوتا ہے یا دونوں۔

ایڈز جیسی خوفناک بیماری کے پھیلنے کی ایک بڑی وجہ شراب نوشی ہے۔

کبھی کبھار شراب نوشی

بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ تو سماجی شرابی ہیں، یعنی کبھی کبھار موقع ملنے پر پی لیتے ہیں۔ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ بلانوش نہیں اور صرف ایک یا دو جام پیتے ہیں، انھیں خود پر کنٹرول ہوتا ہے اور ان کو نشہ نہیں ہوتا۔ تحقیقات بتاتی ہیں کہ شروع میں ہر بلانوش سماجی شرابی ہوتا ہے۔ ایک بلانوش بھی یہ سوچ کر شراب پینا شروع نہیں کرتا کہ وہ عادی شراب نوش بننا چاہتا ہے۔ کوئی بھی سماجی شرابی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں کئی سال سے شراب پی رہا ہوں اور مجھے

اپنے آپ پر اتنا کنٹرول ہے کہ میں ایک دفعہ بھی نشے کا شکار نہیں ہوا۔

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

فرض کریں کہ ایک ''سماجی شرابی'' صرف ایک دفعہ ضبط نفس کھو بیٹھتا ہے۔ نشے کی حالت میں وہ زنا بالجبر یا اپنی کسی محرم سے مباشرت کر گزرتا ہے۔ اس کے بعد وہ پچھتائے اور شرمندہ بھی ہو تب بھی احساس جرم ساری زندگی اس کے ساتھ رہے گا۔ زنا کا مرتکب اور اس کا شکار ہونے والی عورت دونوں کو ناقابلِ تلافی نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

حدیث میں شراب کی ممانعت

سنن ابنِ ماجہ کی کتاب نمبر:30 میں شراب کی واضح حرمت آئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ، فَإِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ»

''شراب مت پیو۔ بے شک یہ ہر برائی کی چابی ہے۔''[1]

«كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ وَّمَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ، فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ»

''ہر نشہ لانے والی شے حرام ہے۔ اور جس کی زیادہ مقدار نشہ لائے اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔''[2]

گویا شراب کا چھوٹا گھونٹ اور چسکی بھی حرام ہے۔

نہ صرف وہ لوگ جو شراب پیتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے بلکہ وہ لوگ جو بالواسطہ یا

---

[1] سنن ابن ماجه، الأشربة ، باب الخمر مفتاح كل شر، حديث :3371

[2] سنن ابن ماجه، الأشربة، باب ماأسكر كثيره فقليله حرام ، حديث :3392

بلا واسطہ اس کا لین دین کرتے ہیں اُن پر بھی اللہ کی لعنت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لُعِنَتِ الْخَمْرُ عَلٰى عَشَرَةِ أَوْجُهٍ : بِعَيْنِهَا ، وَعَاصِرِهَا ، وَمُعْتَصِرِهَا ، وَبَائِعِهَا ، وَمُبْتَاعِهَا ، وَحَامِلِهَا ، وَالْمَحْمُولَةِ إِلَيْهِ، وَآكِلِ ثَمَنِهَا ، وَشَارِبِهَا وَسَاقِيهَا»

''اللہ نے شراب پر دس وجوہ سے لعنت فرمائی ہے ① نفس شراب پر ② اسے کشید کرنے والے پر ③ جس کے لیے کشید کی جائے اس پر ④ اس کے بیچنے والے پر ⑤ اور جو اسے خریدے اس پر ⑥ شراب لے جانے والے پر ⑦ اور جس کی طرف لے جائی جائے اس پر ⑧ شراب کی قیمت کھانے والے پر ⑨ اسے پینے والے ⑩ اور پلانے والے پر۔''[1]

شراب سے لاحق ہونے والی بیماریاں

شراب اور دوسری نشہ آور اشیاء کے استعمال سے منع کرنے کی بہت سی سائنسی وجوہ بھی ہیں۔ دنیا میں شراب نوشی کے باعث سب سے زیادہ اموات واقع ہوتی ہیں۔ ہر سال شراب نوشی کی وجہ سے لاکھوں افراد مر جاتے ہیں۔ مجھے شراب کے تمام تر بُرے اثرات کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں لیکن عام طور پر اس سے جو بیماریاں لاحق ہوتی ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

- جگر کا سرطان بہت مشہور بیماری ہے جو شراب نوشی کی وجہ سے لگتی ہے۔
- معدے کی نالی کا سرطان، بڑی آنت کا سرطان وغیرہ۔

---

① سنن ابن ماجه ، الأشربة، باب لعنت الخمر على عشرة أوجه ، حديث :3380

- معدے کی نالی، معدے، لبلبے اور جگر کی سوزش کا تعلق شراب نوشی سے ہے۔
- دل کے عضلات کا تباہ ہو جانا (Cardiomyopathy)، بلڈ پریشر کا بڑھنا (Hypertension)، دل کی شریان کا خراب ہونا (Coronary Artherosclerosis) دل کی تکلیف (انجائنا) اور دِل کے دورے، ان تمام عوارض کا تعلق کثرتِ شراب نوشی سے ہے۔
- دماغی فالج اور فالج کی مختلف اقسام کا تعلق بھی شراب نوشی سے ہے۔
- مختلف اعصابی و دماغی امراض (Peripheral Neuropathy, Cortical Atrophy, Cerebellar Atrophy) اور فالج کی مختلف اقسام میں پچھلے واقعات کا بار بار دہرانا بھی شراب نوشی کی کثرت سے رونما ہونے والی تھایامین کی قلت کا نتیجہ ہے۔
- یادداشت خراب ہونا(Wernicke-Korsakoff Syndrome with Amnesia)
- بَیری بَیری کا مرض اور دوسری بیماریاں بھی شراب نوشوں میں عام ہیں۔
- ڈیلیریم ٹریمنس شراب نوشی سے بار بار لاحق ہونے والا سنگین عارضہ ہے جو بعض اوقات آپریشن کے بعد رونما ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ موت کا باعث بن جاتا ہے۔ ذہنی اختلال، دہشت، گھبراہٹ اور وہم اس کی علامات ہیں۔
- اینڈوکرائن (درون افرازی) غدود کی خرابیاں، مثلاً:

  Myoxodema, Hyperthyroidism, Florid cushing
- خون کے سُرخ ذرات کے عوارض، فولک ایسڈ کی کمی، خون کی کمی اور اس کے نتیجے میں Mycirocytic Anemia اور خون میں سرخ ذرّات کی کمی (اینیمیا) اور یرقان وغیرہ کی بیماریاں بھی شراب نوشی کے باعث پیدا ہوتی ہیں۔
- خون کے سفید ذرات (Platelets) میں کمی اور ان کی دیگر خرابیاں۔

- عام استعمال ہونے والی دوائی فلیجل (میٹرونیڈازول) کا شراب کے ساتھ بہت بُرا ردِعمل ہوتا ہے۔
- جسم کا بار بار عفونت (Infection) میں مبتلا ہونا اور بیماریوں کے خلاف مدافعتی نظام میں خرابی کثرت سے اور طویل عرصے تک شراب نوشی کا نتیجہ ہیں۔
- چھاتی کی عفونت، نمونیا، پھیپھڑوں میں سوزش، ہوائی چھالا (Emphysema) اور پھیپھڑوں کی دق (ٹی بی) یہ سب شراب سے پیدا ہونے والی عام بیماریاں ہیں۔
- بلا نوش نشے میں عموماً قے کرتا ہے۔ وہ عضلات جو سانس کی نالی کو محفوظ رکھتے ہیں، مفلوج ہو جاتے ہیں تو قے عموماً پھیپھڑوں میں چلی جاتی ہے جو نمونیے اور پھیپھڑوں میں خرابی کا باعث بنتی ہے۔ بعض اوقات اس کی وجہ سے دم گھٹ جاتا ہے اور موت واقع ہو جاتی ہے۔
- عورتوں میں شراب کے اثرات زیادہ شدید ہوتے ہیں۔ شرابی عورتوں میں مردوں کی نسبت جگر کے خلیات کی توڑ پھوڑ زیادہ ہوتی ہے۔ خاص طور پر حاملہ عورت میں شراب کے استعمال سے نومولود پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔
- جلد کی بیماریاں بھی شراب نوشی کی بدولت ہوتی ہیں۔
- جلدی بیماریاں، گنجا پن (Alopecia)، ناخنوں کا ٹوٹنا، ناخنوں کے گرد عفونت (Infection) اور باچھوں میں سوزش بھی شراب نوشی سے پیدا ہونے والی عام بیماریاں ہیں۔

شراب نوشی ایک بیماری ہے

ڈاکٹر اب شراب کے معاملے میں آزاد خیال ہو گئے ہیں اور انھوں نے اس کو نشے سے

زیادہ بیماری کا نام دے دیا ہے۔

اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن نے ایک پمفلٹ شائع کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اگر شراب ایک بیماری ہے تو یہ واحد بیماری ہے جو:

- بوتلوں میں بیچی جاتی ہے۔
- اس کی اخبارات و جرائد میں اور ریڈیو ٹیلی ویژن پر تشہیر کی جاتی ہے۔
- شراب نوشی کے اڈوں کا لائسنس دیا جاتا ہے۔
- یہ گورنمنٹ کے لیے ریونیو اکٹھا کرتی ہے۔
- بڑی شاہراہوں پر خوفناک اموات کا باعث بنتی ہے۔
- خانگی زندگی کو تباہ کر دیتی ہے اور جرائم کی شرح میں اضافہ کرتی ہے۔
- یہ جراثیم یا وائرس کے بغیر ہی بنی نوع انسان کے لیے تباہی لاتی ہے۔

شراب نوشی شیطان کا ہتھکنڈا ہے

شراب نوشی محض بیماری نہیں، شیطان کا ایک ہتھکنڈا ہے۔ اللہ جل جلالہ نے اپنی بے پایاں حکمت سے ہمیں شیطان کے پھندے سے بچنے کے لیے خبردار کیا ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ یہ انسان کا فطری مذہب ہے۔ اس کے تمام احکامات انسان کی اصلی اور فطری حالت برقرار رکھنے کے لیے ہیں۔ لیکن شراب ایک فرد اور ایک معاشرے کو اس کی فطرت سے ہٹا دیتی ہے۔ یہ انسان کو حیوانوں کے درجے سے بھی گرا دیتی ہے، حالانکہ وہ اشرف المخلوقات ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ان تمام وجوہ کی بنا پر اسلام میں شراب حرام ہے۔

سؤر کا گوشت حرام کیوں ہے؟

''سؤر کا گوشت کھانا اسلام میں کیوں منع ہے؟''

اسلام میں سؤر کا گوشت حرام ہے۔ یہ حقیقت بہت واضح ہے۔ مندرجہ ذیل نکات اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ یہ کیوں حرام ہے:

قرآن میں سؤر کے گوشت کی ممانعت

قرآن میں سؤر کا گوشت کھانے سے کم و بیش 4 جگہ منع فرمایا گیا ہے۔ یہ ممانعت ان آیات: 173/2، 3/5، 145/6 اور 115/16 میں آئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾

''تمھارے لیے حرام کیا گیا ہے مردہ جانور اور خون اور سؤر کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔''[1]

یہ آیات مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لیے کافی ہیں کہ سؤر کا گوشت کیوں منع کیا گیا ہے، تاہم عیسائی اپنی مذہبی کتاب کے حوالے سے قائل ہو سکتے ہیں۔

---

[1] المائدۃ 3/5:

بائبل میں سؤر کے گوشت کی ممانعت

بائبل کے عہد نامہ عتیق کی کتاب احبار (Leviti cus) میں لکھا ہے:

''اور سؤر نہ کھانا کیونکہ اس کے پاؤں الگ اور چرے ہوئے ہیں، ہر چند وہ جگالی نہیں کرتا، وہ تمھارے لیے ناپاک ہے۔ تم ان کا گوشت نہ کھانا اور ان کی لاشوں کو بھی نہ چھونا۔ وہ تمھارے لیے ناپاک ہیں۔''[1]

سؤر کا گوشت بائبل کی کتاب استثنا (Deuteron omy) میں بھی منع کیا گیا ہے:

''اور سؤر تمھارے واسطے اس لیے ناپاک ہے کہ اس کے پاؤں تو چرے ہوتے ہیں مگر وہ جگالی نہیں کرتا۔ تم ان کا گوشت کھانا نہ ان کی لاش کو چھونا۔''[2]

اسی طرح بائبل کی کتاب یسعیاہ (Isaiah) باب 65 فقرہ 2 تا 5 میں بھی سؤر کا گوشت کھانے سے منع کیا گیا ہے۔

سؤر کا گوشت 70 بیماریوں کا سبب بنتا ہے

دوسرے غیر مسلم اور دہریے اس حقیقت کو اُسی وقت کو تسلیم کریں گے جب ان کو عقلی دلیل اور سائنس کی بنیاد پر سمجھایا جائے کہ سؤر کا گوشت مختلف قسم کی کم از کم ستر بیماریوں کا باعث بنتا ہے۔ اسے کھانے والے کے معدے اور آنتوں میں کئی قسم کے کیڑے پیدا ہو سکتے ہیں، مثلاً: راؤنڈ ورم (پیٹ کے کیڑے)، پن ورم، ہک ورم۔ ان میں سے سب سے خطرناک ٹیپ ورم یا Taenia Solium ہے جس کو عام زبان میں کدو دانہ کہتے ہیں۔ یہ آنتوں میں ہوتا ہے اور بہت لمبا ہوتا ہے، اس کا انڈا خون میں شامل ہو کر تقریباً تمام اعضاء تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر یہ

[1] احبار: 11 /7-8 [2] استثنا: 8/14

دماغ میں چلا جائے تو یادداشت کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اگر دِل میں پہنچ جائے تو دل کے دورے کا باعث بنتا ہے۔ اگر آنکھ میں داخل ہو جائے تو اندھا پن پیدا کر سکتا ہے۔ اگر جگر میں داخل ہو جائے تو جگر کو نقصان پہنچا سکتا ہے، غرضیکہ یہ جسم کے تقریباً تمام حصوں کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔

ایک غلط خیال یہ ہے کہ اگر سؤر کا گوشت اچھے طریقے سے پکا لیا جائے تو مضر کیڑوں کے انڈے مر جاتے ہیں۔ امریکہ میں ایک تحقیقی جائزے سے پتہ چلا کہ 24 افراد جو Trichura-Tichurasis نامی بیماری میں مبتلا ہوئے، ان میں سے 22 نے سؤر کا گوشت اچھی طرح پکایا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے گوشت میں موجود جراثیم کے انڈے تیز درجہ حرارت پر پکانے سے بھی نہیں مرتے۔

سؤر کا گوشت چربی پیدا کرتا ہے

سؤر کے گوشت میں عضلات ساز مادہ کم اور حد سے زیادہ چربی ہوتی ہے۔ یہ چربی خون کی نالیوں میں جم جاتی ہے جو فالج اور دل کے دورے کا باعث بنتی ہے۔ یہ کوئی حیران کن بات نہیں کہ 50 فیصد امریکی ہائی بلڈ پریشر کا شکار ہیں۔

زمین کا غلیظ ترین جانور

سؤر روئے زمین کا غلیظ ترین جانور ہے۔ یہ گوبر، فضلے اور گندگی پر پھلتا پھولتا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے غلاظت خور اور سب سے زیادہ گندگی پر گزارہ کرنے والا جانور بنایا ہے۔ دیہات میں عموماً لیٹرینز اور بیت الخلا نہیں ہوتے، اس لیے لوگ کھلی جگہوں پر رفع حاجت کرتے ہیں اور اکثر اس غلاظت کو سؤر ہی چٹ کرتے ہیں۔

کوئی یہ دلیل دے سکتا ہے کہ ترقی یافتہ ممالک جیسے آسٹریلیا وغیرہ میں سؤروں کو بڑی صاف ستھری جگہ پالا جاتا ہے۔ ان صاف جگہوں پر بھی ان کو باڑوں میں رکھا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سؤروں کو کتنی ہی صاف ستھری جگہ رکھا جائے، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، یہ فطرتاً گندے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنا بلکہ اپنے ساتھ والے کا فضلہ بھی کھا جاتے ہیں۔

سؤر بے شرم جانور ہے

خنزیر زمین پر پایا جانے والا سب سے زیادہ بے شرم جانور ہے۔ یہ واحد جانور ہے جو دیگر سؤروں کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اس کی ساتھی سؤرنی سے جنسی فعل کریں۔ امریکہ میں اکثر لوگ اس کا گوشت کھاتے ہیں۔ کئی دفعہ محفلِ رقص (ڈانس پارٹی) کے بعد وہ اپنی بیویاں بدل لیتے ہیں، اور کہتے ہیں: ''تم میری بیوی کے ساتھ سو جاؤ اور میں تمھاری بیوی کے ساتھ ہمبستر ہوں گا۔'' ظاہر ہے جو لوگ سؤر کا گوشت کھائیں گے وہ اسی طرح کریں گے۔

اسلام میں گوشت خوری کی اجازت کیوں؟

''جانور کو ہلاک کرنا ایک ظالمانہ فعل ہے، پھر مسلمان گوشت کیوں کھاتے ہیں؟''

سبزی خوری(Vegetarianism) اب پوری دنیا میں ایک تحریک بن گئی ہے۔ کچھ لوگ اسے جانوروں کے حقوق سے جوڑتے ہیں۔ دراصل لوگوں کی ایک بڑی تعداد گوشت اور دوسری غیر نباتاتی اشیاء کے بطور خوراک استعمال کو جانوروں کے حقوق کی خلاف ورزی سمجھتی ہے۔

اسلام تمام جانداروں سے رحم اور اچھے سلوک کی تلقین کرتا ہے۔اس کے ساتھ ہی اسلام یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ نے زمین پر سبزہ اور حیوانات انسان کے فائدے کے لیے پیدا کیے ہیں۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ ہر وسیلے کو کس طرح عدل کے ساتھ اللہ کی نعمت اور امانت کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

اب ہم اس دلیل کے دوسرے پہلوؤں پر غور کرتے ہیں۔

مسلمان خالص سبزی خور ہوسکتا ہے

ایک مسلمان سبزی خور ہوکر بھی بہت اچھا مسلمان ہوسکتا ہے۔مسلمانوں کے لیے ضروری

نہیں کہ وہ گوشت خور ہی ہوں۔

گوشت خوری کی اجازت

قرآن کی رو سے مسلمانوں کو گوشت کھانے کی اجازت ہے۔ مندرجہ ذیل قرآنی آیات اس کا ثبوت ہیں:

﴿ وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا ۗ لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٥﴾ ﴾

”اُس (اللہ) نے تمھارے لیے مویشی بنائے، جن (کے اُون) میں تمھارے لیے سردی سے بچاؤ اور بہت سے فائدے ہیں اور تم ان میں سے بعض کا گوشت کھاتے ہو۔“[1]

﴿ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٢١﴾ ﴾

”اور بلاشبہ مویشیوں میں تمھارے لیے ضرور (سامان) عبرت ہے۔ ہم تمھیں اس میں سے پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں (دودھ) ہے۔ اور تمھارے لیے ان میں بے شمار فائدے ہیں اور تم ان میں سے بعض کا گوشت کھاتے ہو۔“[2]

گوشت غذائیت اور پروٹین سے بھرپور ہے

غیر نباتاتی خوراک، یعنی انڈا، مچھلی اور گوشت پروٹین کا بہت اچھا ذریعہ ہے۔ اس میں حیاتیاتی طور پر مکمل پروٹین یعنی 8 ضروری امائنو ایسڈز پائے جاتے ہیں جنھیں جسم تیار نہیں کرتا، اس لیے یہ خوراک کے ذریعے سے لیے جانے چاہئیں۔ گوشت میں فولاد، وٹامن بی ون اور

[1] النحل 5/16:   [2] المؤمنون 21/23:

نیاسن(Niacin) بھی شامل ہوتے ہیں۔

انسانی دانت ہمہ خور ہیں

اگر آپ سبزی خور جانوروں، یعنی گائے، بھیڑ اور بکری وغیرہ کے دانتوں کا مشاہدہ کریں تو آپ انھیں حیران کن حد تک ایک جیسے پائیں گے۔ ان تمام جانوروں کے دانت چوڑے ہوتے ہیں جو سبز پتوں والی خوراک کے لیے موزوں ہیں اور اگر آپ گوشت خور جانوروں چیتے، شیر، کتے وغیرہ کے دانتوں کا مشاہدہ کریں تو ان کے دانت نوکیلے ہوتے ہیں جو گوشت خوری کے لیے موزوں ہیں۔ اور اگر آپ انسانی دانتوں کا مشاہدہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ ان میں چوڑے اور نوکیلے دونوں قسم کے دانت پائے جاتے ہیں، اس لیے ان کے دانت سبزی اور گوشت دونوں قسم کی خوراک کے لیے موزوں ہیں، یعنی وہ ہمہ خور ہیں۔ ایک سوال یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ اگر اللہ نے انسان کو محض سبزی خور بنایا ہوتا تو اس کے نوکیلے دانت کیوں ہوتے؟ یہ منطقی بات ہے کہ وہ جانتا تھا کہ انسان کو دونوں قسم کی خوراک کی ضرورت پڑے گی۔

انسان کا نظامِ انہضام

چرندوں کا نظامِ انہضام صرف پتوں والی خوراک ہضم کر سکتا ہے اور گوشت خور جانوروں کا نظامِ انہضام صرف گوشت ہضم کر سکتا ہے۔ لیکن انسان کا نظام انہضام سبزیوں اور گوشت دونوں قسم کی غذا ہضم کر سکتا ہے۔ اگر اللہ یہ چاہتا کہ ہم صرف سبزیاں کھائیں تو پھر اس نے ہمیں ایسا نظامِ انہضام کیوں دیا جو سبزیوں اور گوشت دونوں قسم کی غذاؤں کو ہضم کر سکے؟

ہندوؤں کی مذہبی کتب میں گوشت خوری کی اجازت

- بہت سے ہندو ایسے ہیں جو سختی سے سبزی کھانے کے پابند ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہ

بات ان کے مذہب کے خلاف ہے کہ وہ غیر نباتاتی خوراک، یعنی گوشت وغیرہ استعمال کریں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں کی مذہبی کتابیں اپنے پیروکاروں کو گوشت کھانے کی اجازت دیتی ہیں۔ ان میں لکھا ہے کہ ہندو رِشی اور مُنی (بزرگ اور عالم) گوشت کھاتے رہے۔

- ہندوؤں کی کتاب ''منوسمرتی'' کے باب نمبر 5 کی 30 ویں سطر میں ہے:

''جو شخص (ان جانوروں کا) گوشت کھائے جن کا گوشت کھانا چاہیے تو وہ کوئی بُرا کام نہیں کرتا خواہ وہ ایسا روزانہ کرے کیونکہ خدا نے کچھ چیزیں کھائے جانے کے لیے پیدا کی ہیں اور کچھ کو ان چیزوں کو کھانے کے لیے پیدا کیا ہے۔''

- اور ''منوسمرتی'' ہی کے باب 5 کی سطر 31 میں لکھا ہوا ہے:

''قربانی کا گوشت کھانا صحیح ہے کیونکہ یہی دیوتاؤں کا روایتی طریقہ ہے۔''

- اور ''منوسمرتی'' ہی کے باب 5 کی سطور 40,39 میں یہ جملہ بھی موجود ہے:

''خدا نے خود ہی قربان کیے جانے والے جانور قربانی کے لیے پیدا کیے ہیں، اس لیے قربانی کے لیے ان کو ہلاک کرنا دراصل ہلاک کرنا نہیں ہے۔''

- مہابھارت انوشاشن پروا کا باب نمبر 88 دھرم راج یُدھشٹر اور پِتیم بھیشم کی گفتگو بیان کرتا ہے کہ شردھا (مُردوں کی رسوم) کی تقریب میں پِتری (باپ دادا) کو کس طرح کی خوراک پیش کرنی چاہیے تا کہ مُردوں کو سکون ملے۔ پیراگراف اس طرح ہے:

یُدھشٹر نے کہا: ''او مہاشکتی والے! ہم اپنے دادا کے لیے کونسی چیز وقف کریں جو کبھی ختم نہ ہو؟ کیا چیز ایسی ہوسکتی ہے جو ہمیشہ رہے؟ کیا چیز ہے جو اَمَر ہو جاتی ہے؟''

بھیشم نے کہا: ''سُنو یُدھشٹر! کون سی اشیاء ہیں جو شردھا سے اچھی طرح واقف اشخاص کے نزدیک اس قسم کی تقریبات کے لیے موزوں ہیں؟ او مہاراج! السی کے

بیج، چاول، جَو، ماش، پانی، چقندر اور پھل اگر باپ دادا کو پیش کیے جائیں تو ان کی آتما ایک ماہ شانت (پرسکون) رہے۔ مچھلی پیش کرنے سے ان کی آتما 2 ماہ شانت رہے۔ بھیڑ کے گوشت سے تین ماہ، خرگوش سے چار ماہ، بکری کے گوشت سے 5 ماہ، سؤر کے گوشت سے 6 ماہ اور پرندوں کے گوشت سے 7 ماہ شانت رہے۔ پریشت نامی ہرن کے گوشت سے 8 ماہ اور رورو نامی ہرن کے گوشت سے 9 ماہ، گائے کے گوشت سے دس ماہ، بھینس کے گوشت سے 11 ماہ اور نیل گائے کے گوشت سے پورا سال شانت رہے۔ گھی ملا پیاز بھی باپ دادا کو قبول ہے۔ ودھری ناس (بڑے بھینسے) کا گوشت 12 سال شانت رکھے۔ اور گینڈے کا گوشت جو چندر ماس (چاند کے مہینوں) کے حساب سے باپ دادا کی برسی پر جس دن وہ فوت ہوئے پیش کیا جائے تو وہ کبھی ختم نہ ہو۔ کلاسک نامی بوٹی، کنچن پھول کی پتیاں اور سُرخ بکری کا گوشت بھی اسی طرح پیش کیا جائے تو وہ کبھی ختم نہ ہو، لہٰذا یہ فطری امر ہے کہ اگر آپ اپنے باپ دادا کو ہمیشہ شانت رکھنا چاہیں تو انھیں سرخ بکری کا گوشت پیش کریں۔''

ہندو دوسرے مذاہب سے متاثر ہوئے

اگرچہ ہندوؤں کی مذہبی کتابیں اپنے پیروکاروں کو گوشت کھانے سے منع نہیں کرتیں، بہت سے ہندوؤں نے محض سبزیاں اور دالیں کھانے کی عادت دوسرے مذاہب سے متاثر ہو کر اپنائی جن میں ''جین مت'' سرفہرست ہے۔

کچھ مذاہب نے سبزیوں اور دالوں کو مکمل غذا کے طور پر اپنا لیا ہے کیونکہ وہ جانداروں کو

مارنے کے یکسر خلاف ہیں۔ اگر انسان کسی جاندار کو ہلاک کیے بغیر زندہ رہ سکتا ہے تو میں ایسا طرزِ زندگی اختیار کرنے والا پہلا شخص ہوں گا۔ لیکن بات دراصل یوں نہیں۔ ماضی میں لوگ یہ سمجھتے تھے کہ پودے بے جان ہیں لیکن آج یہ ایک معروف عالمگیر حقیقت ہے کہ پودے بھی زندگی رکھتے ہیں، اس لیے اب ان کی اس بات میں کوئی وزن نہیں کہ وہ خالص سبزی خور ہوتے ہوئے کسی جاندار کو ہلاک نہیں کرتے کیونکہ پودوں اور سبزیوں کو کاٹنا بھی تو جانداروں کو ہلاک کرنا ہے۔

پودے بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں

سبزی خور یہ دلیل دیتے ہیں کہ پودے تکلیف محسوس نہیں کرتے ،اس لیے پودوں کو ختم کرنے کا جرم جانوروں کو ختم کرنے سے کمتر جرم ہے۔ لیکن آج سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ پودے بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں، تاہم ان کی چیخ پکار انسان نہیں سن سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے کان ان آوازوں کو نہیں سُن سکتے جو سماعت کی حدود (20 ہرٹز تا 20000 ہرٹز) سے باہر ہوں۔ کوئی آواز اس رینج سے زیادہ ہو یا کم تو وہ انسانی کان کی سماعت میں نہیں آتی۔ کتے 40000 ہرٹز تک کی آواز سن سکتے ہیں، لہٰذا ایسی آوازیں جن کا تعدّد (Frequency) 20000 ہرٹز سے زیادہ اور 40000 ہرٹز سے کم ہو، اُنھیں صرف کتے سن سکتے ہیں انسان نہیں۔ کتے اپنے آقا کی سیٹی کی آواز پہچانتے ہیں اور اس کی طرف چلے آتے ہیں۔ ایک امریکی کسان نے تحقیق کی اور اس نے ایسا آلہ ایجاد کیا جو پودوں کی چیخ پکار کو اس طرح تبدیل کر دیتا ہے کہ اسے انسان سُن سکے۔ اس کے ذریعے سے وہ فوراً یہ محسوس کرنے کے قابل ہو گیا کہ پودا کب پانی کے لیے چیخ رہا تھا۔ جدید تحقیقات نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ پودے خوشی اور غم کو بھی محسوس کرتے ہیں اور چلّا بھی سکتے ہیں۔

حواس کا قتل

ایسی مخلوق جس کے دو حواس کم ہیں ان کا قتل بھی چھوٹا جرم نہیں۔ ایک دفعہ ایک سبزی خور نے دلیل دیتے ہوئے کہا کہ پودے صرف دو یا تین حواس رکھتے ہیں جبکہ جانوروں کے پانچ حواس ہوتے ہیں، اس لیے پودوں کو ختم کرنا جانوروں کو ختم کرنے سے کم درجے کا جرم ہے۔ فرض کریں آپ کا بھائی پیدائشی گونگا اور بہرہ ہے اور اس کے دو حواس دوسرے انسانوں کی نسبت کم ہیں۔ وہ بڑا ہو جاتا ہے اور کوئی اس کو قتل کر دیتا ہے۔ کیا آپ منصف سے کہیں گے کہ اسے کم سزا دیں کیونکہ آپ کا بھائی دو حواس کم رکھتا ہے؟ جی نہیں! اس کے برعکس آپ کہیں گے کہ اُس نے معصوم کو قتل کیا ہے، اس لیے منصف کو چاہیے کہ اسے زیادہ سزا دے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ كُلُوا۟ مِمَّا فِى ٱلْأَرْضِ حَلَـٰلًا طَيِّبًا ﴾

''اے لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انھیں کھاؤ پیو۔''[1]

مویشیوں کی زیادہ تعداد

اگر ہر انسان سبزی خور ہوتا تو دنیا میں مویشیوں کی تعداد حد سے بڑھ جاتی کیونکہ ان کی پیداوار اور بڑھوتری بڑی تیزی سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اپنی مخلوق میں مناسب توازن رکھا ہے، اس لیے اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں کہ اُس نے ہمیں مویشیوں کو کھانے کی اجازت دی ہے۔

میں اس بات کو بُرا محسوس نہیں کرتا کہ ایک شخص مکمل طور پر سبزی خور ہے لیکن جو سبزی خور نہیں اسے بھی ظالم اور بے رحم نہیں کہنا چاہیے۔

---

[1] البقرۃ 2:168

اسلام میں ذبح کرنے کا طریقہ ظالمانہ ہے؟

''مسلمان جانوروں کو ظالمانہ طریقے سے دھیرے دھیرے کیوں ذبح کرتے ہیں؟''

جانور ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ ''ذبیحہ'' غیر مسلموں کی اکثریت کے نزدیک تنقید کا باعث ہے۔ اگر کوئی مندرجہ ذیل نکات کو سمجھ لے تو وہ جان سکتا ہے کہ ذبح کرنے کا یہ طریقہ نہ صرف رحمدلانہ ہے بلکہ سائنسی لحاظ سے بھی بہترین ہے۔

ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ

اسلامی طریقے سے جانور ذبح کرنے کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کا خیال رکھنا چاہیے:

- جانور کو تیز دھار چاقو یا چھری سے تیزی سے ذبح کرنا چاہیے تاکہ جانور کو کم سے کم تکلیف ہو۔
- ''ذبیحہ'' عربی لفظ ہے جس کا مطلب ہے: ''ذبح کیا گیا۔'' جانور کو ذبح کرنے کا عمل اس کا گلا، سانس کی نالی اور گردن میں موجود خون کی نالیاں کاٹ کر انجام دینا چاہیے۔
- سر اُتارنے سے پہلے خون کو مکمل طور پر بہ جانے دینا چاہیے۔ خون کی بیشتر مقدار نکالنے

کی وجہ یہ ہے کہ خون میں جراثیم نشو ونما پا سکتے ہیں۔حرام مغز کو نہیں کاٹنا چاہیے کیونکہ دِل کو جانے والے اعصاب کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور یوں دِل کی دھڑکن رک جانے کی وجہ سے خون مختلف نالیوں میں منجمد ہو جاتا ہے۔

خون میں جراثیم اور بیکٹیریا

خون مختلف قسم کے جراثیم، بیکٹیریا اور زہروں (Toxins) کی منتقلی کا ذریعہ ہے، اس لیے مسلمانوں کا ذبح کرنے کا طریقہ زیادہ صحت مند اور محفوظ ہے کیونکہ خون میں تمام قسم کے جراثیم ہوتے ہیں جو مختلف بیماریوں کا باعث بنتے ہیں، لہٰذا زیادہ سے زیادہ خون جسم سے نکل جانے دینا چاہیے۔

ذبیحہ گوشت کی تازگی

جانور اسلامی طریقے سے ذبح کیا جائے تو خون کے ممکنہ حد تک شریانوں سے نکل جانے کی بدولت گوشت ذبح کرنے کے دوسرے طریقوں کی نسبت زیادہ دیر تک تازہ رہتا ہے۔

جانور کو تکلیف نہیں ہوتی

گردن کی شریانیں تیزی کے ساتھ کاٹنے سے دماغ کے اس عصب (Nerve) کی طرف خون کا بہاؤ رک جاتا ہے جو احساس درد کا ذمہ دار ہے۔ یوں جانور کو درد محسوس نہیں ہوتا۔ جانور جب مرتے وقت تڑپتا ہے یا ٹانگیں ہلاتا اور مارتا ہے تو یہ درد کی وجہ سے نہیں بلکہ خون کی کمی کے باعث عضلات کے پھیلنے اور سکڑنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور خون کی کمی کا سبب خون کا جسم سے باہر کی طرف بہاؤ ہوتا ہے۔

گوشت مسلمانوں کو متشدد بناتا ہے؟

''سائنس بتاتی ہے کہ انسان جو کچھ کھاتا ہے اس کا اثر اُس کے رویے پر پڑتا ہے، پھر اسلام مسلمانوں کو غیر نباتاتی خوراک، یعنی گوشت وغیرہ کھانے کی اجازت کیوں دیتا ہے؟ جبکہ جانوروں کا گوشت کھانے سے ایک شخص ظالم اور متشدد ہو سکتا ہے۔''

میں اس بات سے متفق ہوں کہ انسان جو کچھ کھاتا ہے اس کا اس پر اثر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام درندوں اور چیر پھاڑ کرنے والے جانوروں کا گوشت کھانے سے منع کرتا ہے اور ان کے گوشت کو حرام قرار دیتا ہے، مثلاً: شیر، چیتا وغیرہ جو پُر تشدد اور خونخوار جانور ہیں۔ ان جانوروں کا گوشت کھانے سے ایک شخص متشدد اور ظالم ہو سکتا ہے۔ اسلام صرف چرندوں یا سبزی خور جانوروں کا گوشت استعمال کرنے کی اجازت دیتا ہے، جیسے گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ جو کہ پُر امن اور فرمانبردار ہوتے ہیں۔ مسلمان پُر امن اور سدھائے جانے والے جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں کیونکہ وہ خود امن پسند اور صلح جو لوگ ہیں۔

نبیٔ کریم ﷺ نے ہر اُس چیز سے منع فرمایا ہے جو بُری ہے۔ قرآن کہتا ہے:

﴿ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ ﴾

’’وہ (نبی کریم ﷺ) ان کو نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہیں، اور وہ پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتاتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں۔‘‘[1]

مزید فرمایا:

﴿وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُوا۟﴾

’’رسول تمھیں جو کچھ دیں، وہ لے لو اور جس سے روکیں، اس سے رُک جاؤ۔‘‘[2]

ایک مسلمان کے لیے نبی ﷺ کا یہ فرمان کافی ہے کہ اللہ چاہتا ہے انسان وہ گوشت کھائیں جس کی اللہ نے انھیں اجازت دی ہے اور وہ مت کھائیں جس کی اجازت نہیں دی۔

درندوں کا گوشت حرام ہونے کی احادیث

صحیحین کی بعض مستند حدیثوں میں، جن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی صحیح مسلم میں شامل ذبح سے متعلق حدیث نمبر:1934 بھی ہے، اور سنن ابن ماجہ کی حدیث نمبر:3232 تا3234 میں نبی کریم ﷺ نے درج ذیل دو قسموں کے جانور حرام قرار دیے ہیں:

- ذی ناب: وہ جنگلی جانور جن کے دانت نوکیلے ہوں، یعنی گوشت خور درندے اور جو بلی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، مثلاً: شیر، چیتا، کتا، بلی اور بھیڑیا وغیرہ۔ کترنے والے جانور، جیسے چوہیا، چوہا وغیرہ۔ رینگنے والے جانور، مثلاً: سانپ اور مگرمچھ وغیرہ۔ (یہ سب ’’ذی ناب‘‘ یعنی نوکیلے دانتوں والے جانور ہیں)
- ذی مخلب: پنجوں سے شکار کرنے والے تمام پرندے، جیسے گدھ، عقاب، کوے اور اُلّو وغیرہ۔

نوٹ: ایسی کوئی سائنسی شہادت موجود نہیں جو ثابت کرتی ہو کہ غیر نباتاتی خوراک، یعنی گوشت کھانے سے انسان متشدد ہو جاتا ہے۔

---

[1] الأعراف:157/7 [2] الحشر:7/59

مسلمان فرقوں میں کیوں بٹے ہوئے ہیں؟

''جب مسلمان ایک ہی قرآن کی پیروی کرتے ہیں تو ان میں اتنے زیادہ فرقے اور مکاتب فکر کیوں ہیں؟''

دراصل مسلمان آج تقسیم ہو گئے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ اسلام میں ایسی تقسیم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام اپنے پیروکاروں میں اتحاد کو فروغ دینے پر یقین رکھتا ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَٱعۡتَصِمُواْ بِحَبۡلِ ٱللَّهِ جَمِيعٗا وَلَا تَفَرَّقُواْۚ﴾

''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔''[1]

اس آیت میں اللہ کی کون سی رسی کا ذکر ہے؟ یہ قرآن عظیم ہے۔ یہ قرآن ہی اللہ کی رسی ہے جسے تمام مسلمانوں کو مضبوطی سے تھام لینا چاہیے۔ اس آیت میں دوہرا حکم دیا گیا ہے۔ ''سب مل کر مضبوطی سے تھام لو۔'' کے علاوہ یہ بھی حکم ہے کہ ''تم جدا جدا نہ ہو جاؤ۔'' قرآن میں مزید فرمایا گیا ہے:

﴿أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ﴾

---

[1] آل عمران: 103/3

''اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو۔''[1]

لہٰذا تمام مسلمانوں کو قرآن اور مستند احادیث کی پیروی کرنی چاہیے اور آپس میں تقسیم نہیں ہونا چاہیے۔

فرقہ بندی اللہ کی نافرمانی ہے

قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ فَرَّقُواْ دِينَهُمْ وَكَانُواْ شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَآ أَمْرُهُمْ إِلَى ٱللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُواْ يَفْعَلُونَ ﴿١٥٩﴾﴾

''(اے نبی!) بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو فرقوں میں تقسیم کیا اور وہ گروہوں میں بٹ گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ بے شک ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، پھر وہ (آخرت میں) ان کو ان کے عملوں سے آگاہ کرے گا جو وہ کرتے رہے تھے۔''[2]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسلمان کو ایسے لوگوں سے علیحدہ رہنا چاہیے جنھوں نے دین کو فرقوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔

لیکن جب کسی مسلمان سے کوئی پوچھتا ہے کہ تم کون ہو؟ تو عام طور پر یہی جواب دیا جاتا ہے: ''میں سنی ہوں۔'' یا ''میں شیعہ ہوں۔'' کچھ اپنے آپ کو حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کہتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے میں دیوبندی ہوں اور کوئی بتاتا ہے کہ میں بریلوی ہوں۔

ہمارے نبی ﷺ مسلمان تھے

ایسے مسلمان سے کوئی یہ پوچھ سکتا ہے کہ ''ہمارے پیارے نبی ﷺ کیا تھے؟ کیا وہ حنبلی،

---

[1] النساء 59/4: [2] الأنعام 159/6:

شافعی، حنفی یا مالکی تھے؟'' جواب ملے گا: ''بالکل نہیں۔ وہ اللہ کے ان تمام پیغمبروں کی طرح مسلمان تھے جو ان سے پہلے آئے تھے۔''

قرآن بیان کرتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسلمان تھے۔ جب اُنھوں نے اپنے حواریوں سے کہا:

﴿مَنْ أَنصَارِيٓ إِلَى ٱللَّهِ﴾

''اللہ کی راہ میں کون میرا مددگار ہے؟''[1]

تو حواریوں نے کہا:

﴿نَحْنُ أَنصَارُ ٱللَّهِ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَٱشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾﴾

''ہم اللہ (کی راہ میں آپ) کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔''[2]

ان الفاظ سے واضح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکار مسلمان ہی تھے۔

اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا كَانَ إِبْرَٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا﴾

''ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ وہ تو خالص مسلمان تھے۔''[3]

قرآن کا حکم

اسلام کے پیروکار اس امر کے پابند ہیں کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے تو جب اس سے پوچھا جائے کہ تم کون ہو تو اسے کہنا چاہیے: ''میں مسلمان ہوں۔'' حنفی اور شافعی وغیرہ نہیں کہنا چاہیے۔ قرآن کی سورۂ فُصِّلت

[1] آل عمران 52/3: [2] آل عمران 52/3: [3] آل عمران 67/3:

(حٰمٓ السجدة) میں ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَآ إِلَى ٱللَّهِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا وَقَالَ إِنَّنِى مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿٣٣﴾﴾

''اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو (لوگوں کو) اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔''[1]

دوسرے لفظوں میں قرآن کی یہ آیت یہ کہنے کا حکم دیتی ہے کہ ''میں مسلمان ہوں۔''

نبی کریم ﷺ نے 7 ھ میں غیر مسلم حکمرانوں کو اسلام کی دعوت قبول کرنے کے خطوط لکھوائے۔ روم، مصر اور حبش کے عیسائی حکمرانوں کے نام خطوط میں آپ نے سورۂ آل عمران کی آیت 64 بیان کرتے ہوئے یہ الفاظ لکھوائے:

﴿فَقُولُوا ٱشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾﴾

''تم کہو: گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔''[2]

ائمہ اسلام کا احترام

ہمیں اسلام کے ائمہ کا احترام کرنا چاہیے۔ ان میں امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، اور امام مالک، اور دیگر ائمہ رحمہم اللہ شامل ہیں۔ وہ سب بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کی تحقیق اور محنت کا صلہ دے۔ اگر کوئی امام ابو حنیفہ یا امام شافعی رحمہما اللہ کے نظریات اور تحقیق سے متفق ہو تو اس پر کسی شخص کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن جب آپ سے کوئی پوچھے کہ ''تم کون ہو؟'' تو اس کا جواب صرف یہ ہونا چاہیے کہ ''میں مسلمان ہوں۔''

---

① حٰمٓ السجدة :33/41 ② ال عمران :64/3

کچھ لوگ سنن ابوداود میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حوالہ دے سکتے ہیں۔اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَإِنَّ هَذِهِ الْمِلَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِينَ : ثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ، وَهِيَ الْجَمَاعَةُ»

''بے شک یہ ملت تہتر (73) فرقوں میں بٹ جائے گی۔ بہتر (72) فرقے دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں داخل ہوگا اور وہ ''الجماعة'' (یعنی صحابہ کے منہج پر قائم گروہ) ہوگا۔''[1]

حدیث یہ بتاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہتر (73) فرقے بننے کی پیش گوئی کی۔ آپ نے یہ نہیں کہا کہ مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم ہونے کی شعوری کوشش کرنی چاہیے۔ قرآنِ عظیم ہمیں فرقے بنانے کی ممانعت کرتا ہے۔ جو لوگ قرآن پاک اور صحیح حدیث کی تعلیمات کی پیروی کرتے ہیں اور فرقے نہیں بناتے اور نہ لوگوں کو تقسیم کرتے ہیں، وہی صحیح راستے پر چلنے والے ہیں۔

جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی حدیث کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِينَ مِلَّةً، كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً، قَالَ: وَمَنْ هِيَ يَارَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي»

''میری امت تہتر (73) گروہوں میں بٹ جائے گی اور ان میں سے تمام گروہ جہنم میں جائیں گے سوائے ایک گروہ کے۔'' راوی نے پوچھا کہ یہ کون سا گروہ ہوگا؟

[1] سنن أبي داود، السنة، باب شرح السنة، حديث: 4597

جواب دیا: ''وہ گروہ جو اس راستے پر ہے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔''[1]

قرآن عظیم کی بہت سی آیات میں کہا گیا ہے: ''اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔'' ایک سچے مسلمان کو قرآن اور صحیح حدیث کی پیروی کرنی چاہیے۔ وہ کسی بھی عالم یا امام سے متفق ہو سکتا ہے جب تک اس کے افکار و نظریات قرآن اور حدیث کی تعلیمات کے مطابق ہوں۔ اور اگر اس کے نظریات اللہ تعالیٰ کے احکامات اور نبی ﷺ کی سنت کے برعکس ہوں تو پھر ان کی کوئی اہمیت نہیں، چاہے وہ کوئی کتنا ہی بڑا عالم یا دینی رہنما ہو۔

اگر تمام مسلمان قرآنِ کریم ہی کو سمجھ کر پڑھیں اور صحیح حدیث سے وابستہ رہیں تو ان شاء اللہ تمام اختلافات مِٹ جائیں گے اور ہم ایک متحد اُمت بن جائیں گے۔

① جامع الترمذی، الإیمان، باب ماجاء فی افتراق هذه الأمة، حدیث :2641

اسلام اور مسلمانوں کے عمل میں واضح فرق کیوں؟

''اگر اسلام بہترین مذہب ہے تو بہت سے مسلمان بے ایمان کیوں ہیں اور دھوکے بازی، رشوت اور منشیات فروشی میں کیوں ملوث ہیں؟''

اسلام بلاشبہ بہترین مذہب ہے لیکن میڈیا مغرب کے ہاتھ میں ہے جو اسلام سے خوفزدہ ہے۔ میڈیا مسلسل اسلام کے خلاف خبریں نشر کرتا اور غلط معلومات پہنچاتا ہے۔ وہ اسلام کے بارے میں غلط تاثر پیش کرتا ہے، غلط حوالے دیتا ہے اور واقعات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے۔ جب کسی جگہ کوئی بم پھٹتا ہے تو بغیر کسی ثبوت کے سب سے پہلے مسلمانوں پر الزام لگا دیا جاتا ہے۔ وہ الزام خبروں میں سب سے زیادہ نمایاں ہوتا ہے۔ لیکن بعد میں جب یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کے ذمہ دار غیر مسلم تھے تو یہ ایک غیر اہم اور غیر نمایاں خبر بن کر رہ جاتی ہے، اسی طرح اگر کوئی پچاس برس کا مسلمان کسی پندرہ سالہ لڑکی سے اس کی اجازت سے شادی کرتا ہے تو مغربی اخبارات میں وہ پہلے صفحے کی خبر بنتی ہے۔ لیکن جب کوئی 50 سالہ غیر مسلم 6 سالہ لڑکی کی عصمت دری کرتا ہے تو یہ سانحہ اندر کے صفحات میں ایک معمولی سی خبر کے طور پر شائع ہوتا ہے۔ امریکہ میں روزانہ عصمت دری کے 2713 واقعات پیش آتے ہیں لیکن یہ خبروں میں جگہ نہیں پاتے کیونکہ یہ امریکیوں کی طرزِ زندگی کا ایک حصہ ہیں۔

ہر معاشرے میں ناکارہ لوگ ہوتے ہیں

میں اس بات سے باخبر ہوں کہ ایسے مسلمان یقیناً موجود ہیں جو دیانتدار نہیں اور دھوکے بازی اور دوسری مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ لیکن میڈیا یہ ثابت کرتا ہے کہ صرف مسلمان ہی ان کا ارتکاب کرتے ہیں، حالانکہ ایسے افراد اور جرائم دنیا کے ہر ملک اور ہر معاشرے میں ہوتے ہیں۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ بہت سے مسلمان بلانوش ہیں اور غیر مسلموں کے ساتھ مل کر شراب نوشی کرتے ہیں۔

مسلم معاشرے کی مجموعی حالت بہتر ہے

اگرچہ مسلمان معاشرے میں بھی کالی بھیڑیں موجود ہیں مگر مجموعی طور پر مسلمانوں کا معاشرہ دنیا کا بہترین معاشرہ ہے۔ ہمارا معاشرہ دنیا کا وہ سب سے بڑا معاشرہ ہے جو شراب نوشی کے خلاف ہے، یعنی ہمارے ہاں عام مسلمان شراب نہیں پیتے۔ مجموعی طور پر ہمارا ہی معاشرہ ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ خیرات کرتا ہے۔ اور جہاں تک حیا، متانت، انسانی اقدار اور اخلاقیات کا تعلق ہے دنیا کا کوئی معاشرہ ان کی مثال پیش نہیں کرسکتا۔ بوسنیا، عراق اور افغانستان میں مسلمان قیدیوں سے عیسائیوں کا سلوک اور برطانوی خاتون صحافی کے ساتھ طالبان کے برتاؤ میں واضح فرق صاف ظاہر ہے۔

کار کو ڈرائیور سے نہ پرکھیے

اگر آپ جاننا چاہیں کہ مرسڈیز کار کا نیا ماڈل کیسا ہے اور ایک ایسا شخص جو ڈرائیونگ نہیں جانتا سٹیرنگ پر بیٹھ جائے اور گاڑی کہیں دے مارے تو آپ کس کو الزام دیں گے؟ کار کو یا

ڈرائیور کو؟ فطری بات ہے کہ آپ ڈرائیور کو الزام دیں گے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ کار کتنی اچھی ہے، ڈرائیور کو نہیں بلکہ کار کی صلاحیت اور اس کے مختلف پہلوؤں کو دیکھنا چاہیے کہ یہ کتنی تیز چلتی ہے، ایندھن کتنا استعمال کرتی ہے، کتنی محفوظ ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح اگر یہ بات محض دلیل کے طور پر مان بھی لی جائے کہ مسلمان خراب ہیں تو بھی ہم اسلام کو اس کے پیروکاروں سے نہیں جانچ سکتے۔ اگر آپ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کتنا اچھا ہے تو اُسے اس کے مستند ذرائع سے پرکھیں، یعنی قرآنِ مجید اور صحیح احادیث سے!

اسلام کو محمد ﷺ کی ذاتِ گرامی سے پرکھیں

اگر آپ عملی طور پر یہ دیکھنا چاہیں کہ کار کتنی اچھی ہے تو اس کے سٹیرنگ وہیل پر کسی ماہر ڈرائیور کو بٹھائیں، اسی طرح یہ دیکھنے کے لیے کہ اسلام کتنا اچھا دین ہے تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے آخری پیغمبر محمد ﷺ کو سامنے رکھ کر دیکھیں۔ مسلمانوں کے علاوہ بہت سے دیانتدار اور غیر متعصب غیر مسلم مؤرخوں نے علانیہ کہا ہے کہ حضرت محمد ﷺ بہترین انسان تھے۔ مائیکل ایچ ہارٹ نے ''تاریخ پر اثر انداز ہونے والے سو انسان'' کے عنوان سے کتاب لکھی جس میں سرفہرست پیغمبر اسلام محمد ﷺ کا اسم گرامی ہے۔ غیر مسلموں کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن میں انھوں نے نبی ﷺ کی بہت زیادہ تعریف کی ہے، مثلاً: تھامس کارلائل، لامارٹن وغیرہ۔

غیر مسلموں کو مکہ جانے کی اجازت کیوں نہیں؟

''غیر مسلموں کو مقدس شہروں مکہ اور مدینہ جانے کی اجازت کیوں نہیں؟''

یہ صحیح ہے کہ قانون کے تحت غیر مسلموں کو مکہ اور مدینہ جانے کی اجازت نہیں۔ مندرجہ ذیل نکات اس پابندی کی وجوہ کو واضح کرینگے:

میں بھارت کا ایک شہری ہوں، پھر بھی مجھے کئی ممنوعہ علاقوں، مثلاً فوجی چھاؤنی کی حدود میں جانے کی اجازت نہیں۔ ہر ملک میں کئی علاقے ایسے ہوتے ہیں جہاں اس ملک کے عام شہری کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ وہ لوگ جو باقاعدہ فوج میں شامل ہوں یا جن کا تعلق ملک کے دفاع سے ہو، صرف ان کو جانے کی اجازت ہوتی ہے، اسی طرح اسلام بھی تمام انسانوں کے لیے عالمگیر مذہب ہے۔ اسلام کی چھاؤنی یا ممنوعہ علاقہ صرف دو مقدس شہر مکہ اور مدینہ ہیں۔ یہاں صرف وہ لوگ جو اسلام پر ایمان رکھتے ہیں اور اسلام کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، وہی قدم رکھ سکتے ہیں۔

ایک عام شہری کے لیے یہ بات غیر منطقی ہوگی کہ وہ فوجی چھاؤنی میں داخلے پر پابندی کے

سلسلے میں اعتراض کرے، اسی طرح غیر مسلموں کا یہ اعتراض بھی قطعی غلط ہے کہ مکہ اور مدینہ میں ان کے داخلے پر پابندی کیوں ہے۔

ویزا پالیسی

- جب کوئی شخص کسی دوسرے ملک کا سفر کرتا ہے، سب سے پہلے اسے ویزے کی درخواست دینی پڑتی ہے جو گویا اس ملک میں داخل ہونے کا اجازت نامہ ہے۔ ہر ملک کے اپنے قوانین وضوابط اور ویزا جاری کرنے کی شرائط ہیں۔ اگر ان کے معیار اور شرائط کو پورا نہیں کیا جاتا تو ان کو داخلے کی اجازت نہیں ملتی۔
- ویزا جاری کرنے والے ملکوں میں سب سے زیادہ سخت قوانین امریکہ کے ہیں، خاص طور پر جب تیسری دنیا کے لوگوں کو ویزا دینے کا معاملہ ہو۔ ویزا حاصل کرنے سے پہلے ان کی بہت سی شرائط کو پورا کرنا پڑتا ہے۔
- جب میں سنگاپور گیا تو ان کے امیگریشن فارم پر درج تھا کہ وہاں منشیات لے جانے والوں کے لیے موت کی سزا مقرر ہے اور ہر ایک کو اس قانون کی پابندی کرنا پڑے گی۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ موت کی سزا وحشیانہ سزا ہے۔ اگر میں ان کی شرائط سے متفق اور ان کے مطلوبہ معیار پر پورا اترتا ہوں تو مجھے وہاں جانے کی اجازت ہے۔
- کسی بھی انسان کے لیے مکہ اور مدینہ جانے کی بنیادی شرط یا ویزا یہ ہے کہ وہ اپنی زبان سے کہے: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جس کے معنی ہیں: ”اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔“

کیا غیر مسلموں کو کافر کہنا گالی ہے؟

''کافر'' اُسے کہتے ہیں جو جھٹلاتا یا انکار کرتا ہے۔ ''کافر'' کا لفظ ''کفر'' سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں: جھٹلانا یا چھپانا۔ اسلامی اصطلاح میں ''کافر'' کا مطلب ہے جو اسلام کی تعلیمات اور اس کی سچائی کو جھٹلاتا یا چھپاتا ہے۔ اور جو شخص اسلام کا انکار کرتا ہے اس کو غیر مسلم (Non-Muslim) کہتے ہیں۔

''کافر'' کی اصطلاح گالی نہیں

اگر کوئی غیر مسلم خود کو ''غیر مسلم'' یا ''کافر'' کہے جانے کو گالی سمجھتا ہے، جس کا مطلب ایک ہی ہے، تو یہ اس کی اسلام کے بارے میں غلط فہمی کی وجہ سے ہے۔ اسے اسلام اور اسلامی اصطلاحات کو سمجھنے کے صحیح ذرائع تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور ''کافر'' کہے جانے کو گالی نہیں سمجھنا چاہیے۔ ''غیر مسلم'' یا ''کافر'' کے الفاظ گالی نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے مابین محض خطِ امتیاز کھینچنے والی اصطلاحات ہیں۔ اس میں تحقیر کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ فرق وامتیاز قائم کرنے والی ایک معروف اصطلاح کو گالی قرار دینا

قلتِ علم کے علاوہ سوءِ فہم کی دلیل ہے۔[1]

[1] قرآن نے کسی غیر مسلم کو گالی نہیں دی بلکہ قرآن نے تو ہر غیر مسلم کو اس کے اصل مذہب کا لحاظ کرتے ہوئے مخاطب کیا ہے، جیسے یہود، نصاریٰ، مجوسی اور صابی ان سب کو نبی آخر الزمان ﷺ کی نبوت اور رسالت تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے ''کافر'' کے لفظ سے بھی مخاطب کیا ہے۔ اگر یہ گالی ہوتا تو اہل عرب خصوصاً قریش اس پر اعتراض اٹھاتے کہ یہ قرآن ہمیں گالیاں دیتا ہے، ہم کیوں اس کی بات کو تسلیم کریں۔ قرآن میں دو جگہوں پر ایمان والوں کے ساتھ یہودیوں، نصرانیوں اور صابیوں کا ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ اللہ کے ہاں صاحب فضیلت وہی ہے جو اس کے احکام بجالائے ورنہ اپنے آپ کو مومن کہلانے والا بھی اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہو جاتا ہے۔

حصہ دوم

■ اسلام سے قدرے واقف غیر مسلموں کے مخصوص سوالات

کیا موجودہ قرآن اصلی ہے؟

''کیا ایسا نہیں کہ قرآن کے متعدد نسخے موجود تھے جنھیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے جلا ڈالا گیا اور صرف ایک نسخہ باقی رہنے دیا گیا اور اسی طرح کیا یہ درست نہیں کہ موجودہ قرآن کریم وہ ہے جس کی تدوین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کی اور یہ اصلاً وہ نہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا گیا؟''

قرآن کریم کے بارے میں بعض بے بنیاد تصورات میں سے ایک تصور یہ ہے کہ تیسرے خلیفۂ اسلام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت سے باہم متضاد نسخوں میں سے قرآن کریم کے ایک نسخے کی توثیق اور تدوین کی۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم جو آج بطور کلامِ الٰہی دنیا بھر کے مسلمانوں کی عقیدت کا مرکز ہے، وہی قرآن کریم ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتی نگرانی میں اس کی کتابت کرائی اور بنفس نفیس اس کی توثیق فرمائی۔ آیئے! اس بے بنیاد تصور کی حقیقت کا جائزہ لیں جس کے مطابق دعوٰی کیا جاتا ہے کہ قرآن کی تدوین وتوثیق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے کی گئی۔

نبوی سرپرستی میں تدوینِ قرآن

جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی، سب سے پہلے آپ اسے زبانی یاد کرتے اور

اس کے بعد اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سناتے اور ہدایت فرماتے کہ جو اسے حفظ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوگا۔ آپ بلا تاخیر کاتبانِ وحی کو حکم دیتے کہ نازل ہونے والی وحی کو لکھ لیں۔ اس کے بعد بذاتِ خود ان سے سن کر اس کی توثیق فرماتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے، لہٰذا ہر نزولِ وحی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے سامنے اسے دہراتے تھے۔ وہ بذریعہ وحی نازل ہونے والی آیات لکھ لیا کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تحریر کردہ آیات کی صحت کا جائزہ لینے کے لیے صحابہ سے فرماتے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے پڑھ کر سناؤ۔ اگر اس میں کوئی غلطی ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نشاندہی فرماتے، اس کی تصحیح کراتے اور دوبارہ اس کی پڑتال فرماتے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی حفظ کردہ آیاتِ قرآنی اور سورتیں ان سے سنا کرتے اور ان کی توثیق فرماتے تھے۔ اسی طریقے سے پورے قرآن کریم کی کتابت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی نگرانی میں انجام دی گئی۔

ترتیبِ قرآن وحی الٰہی کے مطابق ہے

پورا قرآن کریم ساڑھے بائیس برس کی مدت میں تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت نازل ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی تدوین وحی کی زمانی ترتیب کے مطابق نہیں فرمائی۔ قرآنی آیات اور سورتوں کی ترتیب وحیٔ الٰہی کے تحت قائم کی گئی اور اللہ کی جانب سے اس کا حکم حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا گیا۔ جب بھی نازل شدہ آیات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنائی جاتیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرمادیتے کہ نازل ہونے والی آیات کو کون سی سورت میں اور کن آیات کے بعد شامل کیا جائے۔

ہر رمضان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے نازل شدہ حصوں کی، ترتیبِ آیات کے ساتھ، دہرائی فرماتے اور توثیق جبرائیل امین کے ذریعے سے کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی

وفات سے قبل آخری رمضان المبارک میں قرآن کریم کی تصدیق وتوثیق دو مرتبہ انجام دی گئی، لہٰذا یہ بات بالکل واضح ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں خود قرآن کریم کی تدوین اور توثیق فرمائی اور یہ تدوین وتوثیق قرآن مجید کی کتابت اور آپ کے متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے حفظ قرآن، دونوں صورتوں میں ہوئی۔

کتابتِ قرآن کی تکمیل عہدِ نبوی میں ہوئی

نبیٔ کریم ﷺ کی زندگی میں مکمل قرآن مجید، آیات کی صحیح ترتیب اور سیاق وسباق کے ساتھ موجود تھا، تاہم اس کی آیات الگ الگ چمڑے کے ٹکڑوں، پتلے ہموار پتھروں، درختوں کے پتوں، کھجور کی شاخوں اوراونٹ کے شانوں کی ہڈیوں وغیرہ پر تحریر کی گئی تھیں۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد پہلے خلیفۂ اسلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم پر مختلف اشیاء پر لکھے گئے قرآن کے حصوں کو ایک ہی چیز پر تحریر کرکے یکجا کر دیا گیا اور یہ اوراق کی صورت میں تھا۔ اوران اوراق کو ڈوریوں کے ساتھ باندھ دیا گیا تاکہ جمع شدہ قرآن کا کوئی حصہ گم نہ ہونے پائے۔ قرآن پاک کا یہ نسخہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا حتی کہ انھوں نے وفات پائی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ان کے پاس تھا، پھر یہ نسخہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی تحویل میں رہا لیکن اس کی اشاعت نہیں ہوئی۔ [1]

نقولِ قرآن

تیسرے خلیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں قرآن مجید کے بعض الفاظ کے املا اور تلفظ کے بارے میں اختلاف نے سر اٹھایا۔ املا اور تلفظ کے اختلاف سے معنی پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا مگر

[1] صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب جمع القرآن، حدیث: 4986

نومسلم عجمیوں کے لیے اس کی بڑی اہمیت ہوگئی۔ ہر جگہ لوگ اپنی قراءت کو صحیح اور دوسروں کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے، اسی لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے قرآن مجید کا اصل نسخہ مستعار لیا جس کے متن کی توثیق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول کے فرمان کے مطابق قرآن کی کتابت کرنے والے چار صحابیوں کو، جن کی قیادت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد ہوئی، یہ حکم دیا کہ وہ مکمل قرآن مجید کی متعدد نقول تیار کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ نقول مسلمانوں کے بڑے بڑے مراکز میں بھجوادیں۔

بعض لوگوں کے پاس قرآن کے بعض حصوں کے ذاتی مجموعے موجود تھے۔ عین ممکن تھا کہ یہ نامکمل ہوں اور ان میں غلطیاں بھی موجود ہوں، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ ایسی تمام نقول نذر آتش کردیں جو اصل نسخۂ قرآنی سے مطابقت نہیں رکھتی تھیں تاکہ قرآن کا اصل متن محفوظ کیا جاسکے۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توثیق شدہ اصل قرآن کے متن سے نقل کردہ قرآن کی دو ایسی نقول آج بھی دستیاب ہیں۔ ان میں ایک تاشقند (ازبکستان) کے عجائب گھر میں اور دوسری استنبول (ترکی) کے توپ کاپی عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

اعراب قرآن

قرآن مجید کے اصل مسودے میں حرکات اور اعراب کی علامتیں ظاہر نہیں کی گئی تھیں۔ ان میں تین اہم علامتوں کو اردو زبان میں زبر، زیر، پیش اور عربی میں فتحہ، ضمہ اور کسرہ کہا جاتا ہے۔ شد، مد اور جزم وغیرہ ان کے علاوہ ہیں۔ عربوں کو قرآن مجید کے صحیح تلفظ کی ادائیگی کے لیے ان علامات کی کوئی حاجت نہیں تھی کیونکہ عربی ان کی مادری زبان تھی، تاہم غیر عرب مسلمانوں کے لیے اعراب کے بغیر قرآن کی صحیح تلاوت مشکل تھی، چنانچہ یہ علامتیں بنوامیہ

کے پانچویں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد (66ھ تا86ھ بمطابق 685ء تا705ء) اور عراق میں حجاج کی گورنری کے دور میں قرآنی رسم الخط میں شامل کی گئیں۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا موجودہ متن جس میں حرکات اور اعراب شامل ہیں، نبی کریم ﷺ کے دور کا اصل قرآن نہیں ہے لیکن وہ اس حقیقت کو سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ قرآن کا لغوی مطلب تلاوت یا بار بار پڑھی جانے والی چیز ہے، لہٰذا قطع نظر اس سے کہ رسم الخط مختلف ہے یا یہ کہ اس میں حرکات وغیرہ شامل کردی گئی ہیں، اہم بات قرآن کریم کی تلاوت کی صحت ہے۔ اگر عربی متن اور اس کا تلفظ وہی ہے جو ابتدا میں تھا تو لازمی طور پر اس کے معانی بھی وہی رہیں گے۔

حفاظتِ قرآن

اللہ نے قرآن کریم کی حفاظت کا وعدہ خود فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَٰفِظُونَ ۝٩ ﴾

"بلاشبہ ہم ہی نے یہ ذکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔"[1]

[1] الحجر: 9/15

اللہ ایک ہے تو اس کے لیے جمع کا صیغہ کیوں؟

''قرآن مجید میں جہاں اللہ کلام کرتا ہے وہاں لفظ نَحنُ ''ہم'' استعمال کیا گیا ہے، تو کیا اسلام متعدد دیوتاؤں پر ایمان رکھتا ہے؟''

اسلام سختی کے ساتھ توحید کا مذہب ہے۔ یہ توحید پر ایمان رکھتا ہے اور اس بارے میں کوئی مصالحت گوارا نہیں کرتا۔ اسلامی عقیدے کے مطابق اللہ ایک ہے اور اپنی صفات میں بے مثل ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اکثر اپنے بارے میں لفظ نَحنُ (ہم) استعمال کرتا ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمان ایک سے زیادہ معبودوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

جمع کے صیغے کی دو اقسام

متعدد زبانوں میں جمع کے صیغے کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عددی جمع کا صیغہ ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ زیر بحث چیز تعداد میں ایک سے زیادہ ہے۔ جمع کا دوسرا صیغہ احترام کے لیے بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ انگریزی زبان میں ملکہ انگلستان اپنا ذکر ''آئی'' (I) کی جگہ ''وی'' (We) کے لفظ سے کرتی ہے۔ یہ انداز تخاطب رائل پلورل (Royal Plural) یعنی ''شاہی صیغۂ جمع'' کے الفاظ سے معروف ہے۔

بھارت کے سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی ہندی میں کہا کرتے تھے: ''ہم دیکھنا چاہتے ہیں'' گویا ہندی اور اردو میں ''ہم'' رائل پلورل ہے۔

اسی طرح عربی میں جب اللہ قرآن میں اپنا ذکر کرتا ہے تو وہ اکثر عربی لفظ نحنُ استعمال فرماتا ہے۔ یہ لفظ عدد کی جمع کو نہیں بلکہ احترامی جمع کو ظاہر کرتا ہے۔ توحید اسلام کے ستونوں میں سے ایک ستون ہے۔ ایک اور صرف ایک معبود حقیقی کا وجود اور اس کا بے مثل ہونا وہ مضامین ہیں جن کا قرآن مجید میں متعدد بار ذکر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ اخلاص میں ارشاد ہوا:

﴿قُلْ هُوَ ٱللَّهُ أَحَدٌ ①﴾

''کہہ دیجیے: وہ اللہ ایک ہے۔''[1]

① الإخلاص : 1/112

کیا تنسیخ آیات غلطی کی اصلاح ہے؟

''مسلمان تنسیخ آیات کے تصور پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بعض ابتدائی آیات قرآنی کو بعد میں اترنے والی آیات کے ذریعے سے منسوخ کردیا گیا تھا۔ کیا اس سے یہ مطلب اخذ کیا جاسکتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ نے ایک غلطی کی اور بعد ازاں اس کی تصحیح کرلی؟''

قرآن مجید اس مسئلے کو حسبِ ذیل آیت میں بیان کرتا ہے:

﴿مَا نَنسَخْ مِنْ ءَايَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ أَوْ مِثْلِهَآ ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٦﴾﴾

''ہم جو کوئی آیت منسوخ کرتے یا اسے بُھلوا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی (آیت) لے آتے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''[1]

سورۂ نحل کی آیت نمبر 16 میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

عربی لفظ ''آیت'' کا لغوی مطلب علامت، مصرع یا جملہ ہے اور اس سے مراد وحی بھی ہے۔ قرآن کی اس آیت کی تعبیر دو مختلف طریقوں سے کی جاسکتی ہے:

---

[1] البقرة :106/2

- وہ آیات جو منسوخ کر دی گئیں ان سے مراد یا تو وہ وحی ہے جو قرآن سے پہلے نازل کی گئی، مثلاً: تورات، زبور اور انجیل کی اصل وحی کی شکل میں اور مذکورہ بالا آیت کا مطلب ہوگا کہ وہ سابقہ کلامِ وحی کو فراموش نہیں ہونے دیتا بلکہ اسے بہتر یا یکساں کلام سے تبدیل کر دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تورات، زبور اور انجیل کی جگہ قرآن مجید نے لے لی ہے۔
- اگر ہم مذکورہ بالا قرآنی آیت میں عربی لفظ ''آیت'' سے مراد آیات قرآنی لیں اور سابقہ کتب وحی نہ لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی آیت قرآنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت تک منسوخ نہیں کی گئی جب تک اسے کسی بہتر یا ویسی ہی آیت سے تبدیل نہیں کر دیا گیا۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ بعض قرآنی آیات جو پہلے نازل کی گئی تھیں انھیں بعد میں نازل ہونے والی آیات سے تبدیل کر دیا گیا۔ میں ان دونوں تعبیرات سے اتفاق کرتا ہوں۔

بعض مسلمان اور اکثر غیر مسلم دوسری تعبیر سے غلط طور پر یہ مطلب اخذ کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی بعض ابتدائی آیات منسوخ کر دی گئی تھیں اور وہ آج ہم پر لاگو نہیں ہوتیں کیونکہ بعد میں نازل ہونے والی آیات، یعنی ناسخ آیات نے ان کی جگہ لے لی۔ یہ گروہ یہ غلط عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ یہ آیات باہم متضاد ہیں۔ آیئے ایسی چند مثالوں کا جائزہ لیں۔

قرآن کا چیلنج

بعض مشرکین عرب یہ الزام لگاتے تھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے خود یہ قرآن گھڑ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان عربوں کو سورۂ بنی اسرائیل کی مندرجہ ذیل آیت میں چیلنج کیا۔

﴿قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ

بِمِثْلِهِۦ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴿٨٨﴾

”(اے نبی!) کہہ دیجیے: اگر سب انسان اور جن اس بات پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کا مثل بنالائیں تو وہ اس جیسا نہیں لا سکیں گے، اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔“[1]

پھر اس چیلنج کو سورۂ ہود کی حسب ذیل آیت کے ذریعے سے آسان بنا دیا گیا:

﴿أَمْ يَقُولُونَ ٱفْتَرَىٰهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا۟ بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِۦ مُفْتَرَيَـٰتٍ وَٱدْعُوا۟ مَنِ ٱسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ ﴿١٣﴾﴾

”کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے (اپنے پاس سے) یہ (قرآن) گھڑ لیا ہے؟ (سو اے نبی!) کہہ دیجیے: پھر لے آؤ تم بھی دس سورتیں ویسی ہی گھڑی ہوئی اور (مدد کے لیے) بلا لو جسے تم بلا سکو اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو۔“[2]

بعد میں سورۂ یونس کی مندرجہ ذیل آیت میں چیلنج کو آسان تر بنا دیا گیا:

﴿أَمْ يَقُولُونَ ٱفْتَرَىٰهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا۟ بِسُورَةٍ مِّثْلِهِۦ وَٱدْعُوا۟ مَنِ ٱسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ ﴿٣٨﴾﴾

”کیا وہ (کافر) کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اسے گھڑ لیا ہے؟ (اے نبی!) کہہ دیجیے: تو تم اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ اور (مدد کے لیے) اللہ کے سوا جن کو بلا سکتے ہو بلا لو، اگر تم سچے ہو۔“[3]

آخر کار سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے اس چیلنج کو مزید آسان بنا دیا اور یہ کہا:

﴿وَإِن كُنتُمْ فِى رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا۟ بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِۦ وَٱدْعُوا۟ شُهَدَآءَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ إِن كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا۟ وَلَن تَفْعَلُوا۟

[1] بنی إسراء یل: 88/17 [2] هود: 13/11 [3] یونس: 38/10

﴿فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿٢٤﴾﴾

''اور اگر تم اس (کلام) کے بارے میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا تو تم اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ، اور بلا لاؤ اپنے حمایتیوں کو سوائے اللہ کے، اگر تم سچے ہو، پھر اگر تم ایسا نہ کرسکو، اور تم کر بھی نہیں سکتے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں (اور جو) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''[1]

یوں اللہ تعالیٰ نے اپنے چیلنجوں کو انتہائی آسان بنادیا۔ یکے بعد دیگرے نازل ہونے والی آیات قرآنی کے ذریعے سے پہلے مشرکوں کو چیلنج دیا گیا کہ وہ قرآن جیسی کوئی کتاب لاکر دکھائیں، پھر ان سے کہا گیا کہ قرآن کی سورتوں جیسی دس سورتیں ہی لاکر دکھا دو اور آخر میں انھیں چیلنج کیا گیا کہ چلو قرآنی سورتوں سے ملتی جلتی کوئی ایک ہی سورت پیش کردو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سورۂ بقرہ کی آیات نمبر 23 اور 24 (جو بعد میں نازل ہوئیں) پہلی تین آیات سے متضاد ہیں۔ تضاد سے مراد ایسی دو چیزوں کا ذکر ہے جو بیک وقت موجود نہیں ہوسکتیں یا بیک وقت وجود میں نہیں آسکتیں۔

قرآن کریم کی پہلی آیات، یعنی منسوخ آیات اب بھی کلام الٰہی ہیں اور ان میں بیان کردہ ہدایت آج بھی عین حق ہے۔ مثال کے طور پر یہ چیلنج کہ قرآن جیسا کلام لاکر دکھاؤ، آج بھی برقرار ہے، اسی طرح عین قرآن جیسی 10 سورتیں یا ایک سورت پیش کرنے کا چیلنج بھی بدستور قائم ہے اور قرآن کریم سے کسی حد تک ملتی جلتی ایک ہی سورت لانے کا چیلنج بھی برقرار ہے۔ یہ چیلنج سابقہ چیلنجوں کے منافی نہیں لیکن یہ دوسرے چیلنجوں کے مقابلے میں آسان ہے۔ اگر آخری چیلنج کا جواب بھی نہیں دیا جاسکتا تو کسی شخص کے لیے باقی تین مشکل چیلنجوں کا جواب دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

---

[1] البقرۃ : 24,23/2

فرض کیجیے میں کسی شخص کے بارے میں یہ کہتا ہوں کہ وہ اتنا کند ذہن ہے کہ وہ سکول میں دسویں جماعت پاس کرنے کے قابل بھی نہیں۔ بعدازاں میں کہتا ہوں کہ وہ پانچویں جماعت بھی پاس نہیں کر سکے گا۔ اس کے بعد میں مزید یہ کہتا ہوں کہ وہ تو پہلی جماعت کا امتحان بھی پاس نہیں کر سکے گا۔ آخر میں میں کہتا ہوں کہ وہ اتنا نالائق ہے کہ کے جی بھی پاس نہیں کر سکے گا جبکہ سکول میں داخلے کے لیے کے جی، یعنی کنڈ گارٹن میں کامیابی لازم ہے۔ گویا بالفعل میں یہ کہہ رہا ہوں کہ مذکورہ شخص اتنا کند ذہن ہے کہ وہ کے جی پاس کرنے کے قابل بھی نہیں۔ میرے چاروں بیانات ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتے۔ لیکن میرا چوتھا بیان اس طالب علم کی ذہنی استعداد کو ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔ اگر کوئی طالب علم کے جی کلاس پاس نہیں کر سکتا تو اس کے لیے پہلی جماعت، پانچویں جماعت یا دسویں جماعت پاس کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

منشیات کی بتدریج ممانعت

ایسی آیات کی ایک اور مثال ان آیات سے دی جا سکتی ہے جو منشیات کی بتدریج ممانعت سے تعلق رکھتی ہیں۔ منشیات کے بارے میں قرآن مجید میں پہلی وحی سورۂ بقرہ کی اس آیت کی صورت میں نازل ہوئی:

﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَٰفِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ﴾

”(اے نبی!) وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے: ان دونوں (کے استعمال) میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدہ بھی ہے۔ اور ان کا گناہ فائدے سے بہت زیادہ ہے۔“[1]

[1] البقرة 2: 219

منشیات کے بارے میں نازل ہونے والی اس سے پہلی آیت سورۂ نساء میں شامل ہے جسے یہاں نقل کیا جارہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَقۡرَبُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَنتُمۡ سُكَٰرَىٰ حَتَّىٰ تَعۡلَمُواْ مَا تَقُولُونَ﴾

''اے ایمان والو! تم اس وقت نماز کے قریب بھی نہ جاؤ جب تم نشے میں مست ہو، یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو جو کچھ تم کہتے ہو۔''[1]

منشیات کے بارے میں نازل ہونے والی آخری آیت سورۂ مائدہ کی حسب ذیل آیت ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡخَمۡرُ وَٱلۡمَيۡسِرُ وَٱلۡأَنصَابُ وَٱلۡأَزۡلَٰمُ رِجۡسٞ مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ فَٱجۡتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ۝٩٠﴾

''اے ایمان والو! بے شک شراب اور جوا اور آستانے اور فال نکالنے کے تیر ناپاک شیطانی عمل ہیں، سو ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''[2]

قرآن کریم ساڑھے بائیس برس کے عرصے میں نازل ہوا اور معاشرے میں کی جانے والی بیشتر اصلاحات بتدریج نافذ کی گئیں۔ اس کا مقصد نئے قوانین پر عملدرآمد میں لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنا تھا کیونکہ معاشرے میں اچانک تبدیلی ہمیشہ بغاوت اور افراتفری پر منتج ہوتی ہے۔

منشیات کی ممانعت تین مراحل میں کی گئی۔ اس سلسلے میں پہلی وحی میں صرف یہ ذکر فرمایا گیا کہ نشہ آور اشیاء کا استعمال بہت بڑا گناہ ہے اور ان میں کچھ فائدہ بھی ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے۔ اس سے اگلی وحی میں نشے کی حالت میں نماز پڑھنا منع فرمادیا گیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ کسی مسلمان کو دن کے اوقات میں کوئی نشہ نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ ہر

[1] النساء: 43/4 [2] المائدة: 90/5

مسلمان پر دن میں پانچ مرتبہ نماز ادا کرنا فرض کر دیا گیا ہے۔ اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا کہ جب رات کو کوئی شخص نماز ادا نہ کر رہا ہو تو اسے نشہ کرنے کی اجازت ہے، اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ چاہے تو نشہ کرے اور نہ چاہے تو نہ کرے۔ قرآن اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرتا۔ اگر اس آیت میں یہ کہا گیا ہوتا کہ جب کوئی شخص نماز نہ پڑھ رہا ہو تو وہ شراب پی سکتا ہے، تب یہ بات بلاشبہ مبنی بر تضاد ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت موزوں الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ آخر میں سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 90 کے ذریعے سے ہمیشہ کے لیے نشہ آور چیزوں کی ممانعت کر دی گئی۔

اس سے ظاہر ہوا کہ تینوں آیات ایک دوسرے کی ضد نہیں ہیں اگر ان میں باہمی تضاد ہوتا تو بیک وقت تینوں آیات پر عمل کرنا ممکن نہ ہوتا۔ چونکہ ہر مسلمان سے قرآن مجید کی ہر آیت کو ماننے کی توقع کی جاتی ہے، اس لیے جب وہ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر 90 پر، جو آخر میں نازل ہوئی، عمل کرتا ہے تو سابقہ دو آیات سے بھی خود بخود اتفاق اور ان پر عمل درآمد ہو جاتا ہے۔ فرض کیجیے! میں کہتا ہوں کہ میں لاس اینجلس میں نہیں رہتا۔ بعد میں، میں کہتا ہوں کہ میں کیلیفورنیا میں نہیں رہتا۔ اور آخر میں، میں یہ بیان دیتا ہوں کہ میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں نہیں رہتا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ تینوں بیانات باہم متضاد ہیں، حالانکہ ہر بیان پہلے بیان کے مقابلے میں زیادہ معلومات فراہم کرتا ہے، لہٰذا صرف یہ کہہ دینے سے کہ میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں نہیں رہتا، خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ میں کیلیفورنیا یا لاس اینجلس میں بھی نہیں رہتا، اسی طرح جب شراب کی مکمل ممانعت کر دی گئی تو ظاہر ہے نشے کی حالت میں نماز ادا کرنا بھی ممنوع ٹھہرا اور یہ بات بھی سچ ثابت ہوئی کہ نشہ آور اشیاء کا استعمال بڑا گناہ ہے اور اس میں انسانوں کے لیے کچھ فائدہ بھی ہے لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے۔

قرآن مجید میں تضاد نہیں

تنسیخ آیات کے نظریے سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ قرآن میں تضاد پایا جاتا ہے، اس لیے کہ بیک وقت قرآن کریم کی تمام آیات پر عمل کرنا ممکن ہے۔ اگر قرآن میں تضاد ہوتو یہ کلامِ الٰہی نہیں ہوسکتا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُوا۟ فِيهِ ٱخْتِلَٰفًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾﴾

''کیا پھر وہ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے بجائے کسی اور کی طرف سے آیا ہوتا تو وہ اس میں یقیناً بہت اختلاف پاتے۔''[1]

---

[1] النساء : 82/4

کیا حروفِ مقطّعات بے فائدہ ہیں؟

"قرآن مجید کی بعض سورتیں الٓمّٓ ، حٰمٓ اور یٰسٓ وغیرہ سے کیوں شروع ہوتی ہیں؟ ان حروف یا تراکیب کی اہمیت کیا ہے؟"

الٓمّٓ یٰسٓ، حٰمٓ وغیرہ کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے۔ عربی حروف تہجی میں کل 29 حروف شامل ہیں (بشرطیکہ ہمزہ اور الف کو دو الگ الگ حروف شمار کیا جائے) اور قرآن مجید کی کل 29 سورتیں ایسی ہیں جو حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں۔ یہ حروف مقطعات بعض اوقات واحد حرف اور بعض اوقات ایک سے پانچ حروف تک ترکیب کی صورت میں ہوتے ہیں۔

حروف مقطعات

① تین سورتوں کا آغاز صرف ایک حرف سے ہوتا ہے:

- سورت صٓ 38 ویں سورت ہے جو حرف ص سے شروع ہوتی ہے۔
- 50 ویں سورت قٓ حرف ق سے شروع ہوتی ہے۔
- 68 ویں سورت نٓ یا القلم حرف ن سے شروع ہوتی ہے۔

② دس سورتوں سے قبل دو حروف مقطعات آتے ہیں:

- 20 ویں سورت طٰهٰ انھی حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہے۔
- 27 ویں سورت النمل کا آغاز طٰسٓ کے حروف سے ہوتا ہے۔
- 36 ویں سورت یٰسٓ کا آغاز یٰسٓ کے حروف سے شروع ہوتی ہے۔
- 40 ویں سے 46 ویں تک مسلسل سات سورتیں حٰمٓ (ح م) کے حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں:
- 40 ویں سورت الغافر یا المؤمن
- 41 ویں سورت حٰمٓ السجدة
- 42 ویں سورت الشورٰی
- 43 ویں سورت الزخرف
- 44 ویں سورت الدخان
- 45 ویں سورت الجاثية
- 46 ویں سورت الأحقاف

③ 14 سورتوں کا تین تین حروف مقطعات سے آغاز ہوتا ہے۔

حسب ذیل چھ سورتیں الف ل م (الٓمّٓ) سے شروع ہوتی ہیں:

- دوسری سورت البقرة
- تیسری سورت آل عمران
- 14 ویں سورت العنکبوت
- 30 ویں سورت الروم
- 31 ویں سورت لقمان

- 32 ویں سورت السجدة

حروف مقطعات (الٓر) 10 ویں سے 15 ویں تک پانچ سورتوں سے قبل آتے ہیں:

- 10 ویں سورت یونس
- 11 ویں سورت ھود
- 12 ویں سورت یوسف
- 14 ویں سورت إبراھیم
- 15 ویں سورت الحجر

طٰسٓمٓ (ط س م) کے حروف مقطعات دو سورتوں میں آتے ہیں:

- 26 ویں سورت الشعراء
- 28 ویں سورت القصص

④ چار حروف مقطعات کی ترکیب صرف دو دفعہ آئی ہے:

- ساتویں سورت الأعراف: الٓمٓصٓ (ا ل م ص)
- تیرھویں سورت الرعد: الٓمٓر (ال م ر)

⑤ پانچ حروف مقطعات کی ترکیب بھی دو دفعہ استعمال ہوئی ہے:

- 19 ویں سورت مریم کٓھٰیٓعٓصٓ (ك ہ ی ع ص) سے شروع ہوتی ہے۔
- 42 ویں سورت الشورٰی کا آغاز حروف مقطعات کی دو ترکیبوں سے ہوتا ہے:

دو حروف کی ترکیب حٰمٓ تین حروف پر مشتمل ترکیب عٓسٓقٓ

ان حروف کے معانی اور مقاصد کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا مختلف ادوار

میں مسلم علماء نے ان کی مختلف توضیحات پیش کی ہیں۔ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

- یہ حروف بعض جملوں اور الفاظ کی مختصر صورت ہو سکتے ہیں، جیسے ا لم سے مراد اللّٰہ أعلم (اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے) اور ن سے مراد ''نور'' ہو سکتا ہے۔
- یہ حروف اختصار کی صورتیں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ یا کسی اور چیز کی علامتیں اور نام ہیں۔
- یہ حروف قافیہ بندی کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔
- ان حروف کی کوئی عددی اہمیت بھی ہے چونکہ سامی زبانوں کے حروف عددی قدر بھی رکھتے تھے۔
- یہ حروف نبیٔ کریم ﷺ (اور بعد میں سامعین) کی توجہ مبذول کرانے کے لیے استعمال کیے گئے۔

حروف مقطعات کی معنویت واہمیت پر کئی جلدیں لکھی گئی ہیں۔

حروف مقطعات کی بہترین تعبیر

مختلف علماء کی طرف سے پیش کردہ تعبیرات میں سے مستند تعبیر حسب ذیل ہے جس کی تائید امام ابن کثیر، زمخشری اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف سے بھی کی گئی ہے:

انسانی جسم کا مرکب کائنات میں پائے جانے والے مختلف عناصر سے تیار کیا گیا ہے۔مٹی اور گارا بھی انھی بنیادی عناصر کا آمیزہ ہیں۔لیکن یہ کہنا غلط ہوگا کہ انسان بالکل مٹی جیسا ہے۔ہم سب ان عناصر تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں جو انسانی جسم میں پائے جاتے ہیں اور ہم ان میں چند گیلن پانی ڈال سکتے ہیں جس سے انسانی جسم تشکیل پاتا ہے مگر اس سے ہم زندگی تخلیق نہیں کر سکتے۔ہمیں انسانی جسم میں شامل عناصر کا علم ہے لیکن اس کے باوجود جب ہم سے رازِ زندگی کے بارے میں سوال کیا جائے تو ہمارے پاس اظہار حیرت کے سوا کچھ نہیں

ہوتا، اسی طرح قرآن مجید ان لوگوں سے خطاب کرتا ہے جو اس کے اُلوہی احکام کو نہیں مانتے۔ قرآن ان سے کہتا ہے کہ یہ کتاب تمھاری اپنی زبان میں ہے (جس پر عرب بہت فخر کرتے تھے) یہ انھی حروف پر مشتمل ہے جنھیں عرب بڑی فصاحت سے اظہار و بیان کے لیے استعمال کرتے تھے۔ عرب اپنی زبان پر بہت نازاں تھے اور جس زمانے میں قرآن نازل ہوا، عربی زبان اپنے عروج پر تھی۔ حروف مقطعات: الٓمّٓ، یٰسٓ، حٰمٓ وغیرہ کے استعمال سے (انگریزی میں اے، بی، سی، ڈی کہہ سکتے ہیں) قرآن بنی نوع انسان کو چیلنج کرتا ہے کہ اگر انھیں اس کے مستند ہونے میں شک ہے تو وہ حسن فصاحت میں قرآن سے ملتی جلتی کم از کم ایک سورت ہی لکھ کر لے آئیں۔

ابتدا میں قرآن کریم تمام انسانوں اور جنوں کو چیلنج دیتا ہے کہ تم قرآن جیسا کلام لاکر دکھادو، پھر مزید کہتا ہے کہ وہ سب ایک دوسرے کی امداد کرکے بھی یہ کام انجام نہیں دے سکتے۔ یہ چیلنج سورۃ الاسراء (بنی اسرائیل) کی 88 ویں آیت اور سورۂ طور کی 34 ویں آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد یہ چیلنج گیارھویں سورت ہود کی 13 ویں آیت میں دہرایا گیا اور فرمایا گیا ہے کہ اس جیسی 10 سورتیں تیار کرکے دکھاؤ۔ بعدازاں دسویں سورت یونس کی آیت 38 میں اس جیسی ایک سورت بنا لانے کو کہا گیا اور آخر کار سورۃ البقرہ کی آیات 23 اور 24 میں آسان ترین چیلنج دیا گیا:

﴿وَإِن كُنتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٣﴾ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿٢٤﴾﴾

''اور اگر تم اس (کلام) کے بارے میں شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو تم اس جیسی ایک سورت ہی لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے حمایتیوں کو بلا لاؤ اگر تم

سچے ہو، پھر اگر تم ایسا نہ کرسکو، اور تم کر بھی نہیں سکتے، تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں (اور جو) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''[1]

دو ہنرمندوں کی مہارت کے تقابل کے لیے انھیں لازماً ایک ہی خام مال کے نمونے فراہم کیے جانے چاہئیں اور پھر ایک ہی کام کے ذریعے سے ان کی کارکردگی کا جائزہ لیا جانا چاہیے۔ عربی زبان کا خام مواد یہی حروف الٓمٓ، یٰسٓ وغیرہ (جیسے انگریزی میں اے بی سی ڈی) ہیں۔ قرآن کریم کی زبان کی معجزاتی فطرت صرف یہی نہیں کہ یہ کلام الٰہی ہے بلکہ اس کی عظمت اس حقیقت میں بھی مضمر ہے کہ اگرچہ یہ انھی حروف سے وجود میں آئی ہے جن پر مشرکین فخر کرتے تھے لیکن اس کے مقابلے کی کوئی عبارت پیش نہیں کی جاسکی۔

قرآن مجید کا معجزاتی وصف

عرب اپنی خطابت، فصاحت اور قدرت کلام کی وجہ سے معروف ہیں، جیسے ہمیں انسانی جسم کے ترکیبی عناصر معلوم ہیں اور ہم انھیں حاصل کرسکتے ہیں، اسی طرح قرآن کریم کے حروف، جیسے: الٓمٓ سے بھی ہم خوب واقف ہیں اور انھیں اکثر الفاظ بنانے کے لیے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ لیکن انسانی جسم کے ترکیبی عناصر کا علم حاصل ہونے کے باوجود، زندگی کی تخلیق ہمارے بس میں نہیں ہے، اسی طرح جن حروف پر قرآن مشتمل ہے ان کا علم رکھنے کے باوجود ہم قرآن کریم کی فصاحت اور حسن کلام پر گرفت حاصل نہیں کرسکتے۔ یوں قرآن بذات خود اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ کلامِ الٰہی ہے۔

اسی لیے سورۂ بقرہ کے حروف مقطعات کے فوراً بعد جو آیت ہے اس میں معجزۂ قرآن اور کلام الٰہی کی ثقاہت کا ذکر کیا گیا ہے۔

---

[1] البقرۃ: 24,23/2

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿الٓمٓ ۞ ذَٰلِكَ ٱلۡكِتَٰبُ لَا رَيۡبَۛ فِيهِۛ هُدٗى لِّلۡمُتَّقِينَ ۞﴾

''یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، یہ پرہیز گاروں کے لیے ہدایت ہے۔''[1]

[1] البقرة : 2,1/2

کیا زمین چپٹی اور ہموار ہے؟

''قرآن یہ کہتا ہے کہ زمین کو تمھارے لیے بچھونا بنادیا گیا ہے۔ اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ زمین چپٹی اور ہموار ہے۔ کیا یہ بات مسلمہ جدید سائنسی حقائق کے منافی نہیں؟''

اس سوال میں قرآن کریم کی سورۂ نوح کی ایک آیت کا حوالہ دیا گیا ہے جس میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَٱللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ ٱلْأَرْضَ بِسَاطًا ﴿١٩﴾ ﴾

''اور اللہ نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا ہے۔''[1]

لیکن مندرجہ بالا آیت کا جملہ مکمل نہیں۔ جملہ اس سے اگلی آیت میں جاری ہے جو پچھلی آیت کی وضاحت کرتا ہے۔ اس میں ارشاد ہے:

﴿ لِّتَسْلُكُوا۟ مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿٢٠﴾ ﴾

''تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں پر چل سکو۔''[2]

اسی طرح کا ایک پیغام سورۂ طٰہٰ میں دہرایا گیا ہے:

﴿ ٱلَّذِى جَعَلَ لَكُمُ ٱلْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا ﴾

---

① نوح: 19/71 ② نوح: 20/71

''وہ ذات جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا اور تمھارے چلنے کے لیے اس میں راستے بنائے۔''[1]

زمین کی بالائی تہ یا قشرِارض کی موٹائی 30 میل سے بھی کم ہے اور اگر اس کا موازنہ زمین کے نصف قطر سے کیا جائے جس کی لمبائی تقریباً 3750 میل ہے تو قشرارض بہت ہی باریک معلوم ہوتا۔ زیادہ گہرائی میں واقع زمین کی تہیں بہت گرم، سیال اور ہر قسم کی زندگی کے لیے ناسازگار ہیں۔ قشرارض زمین کا ٹھوس صورت اختیار کر لینے والا وہ خول ہے جس پر ہم زندہ رہ سکتے ہیں، لہٰذا قرآن مجید بجا طور پر اس کو ایک بچھونے یا قالین سے مشابہ قرار دیتا ہے تاکہ ہم اس کی شاہراہوں اور راستوں پر سفر کر سکیں۔

قرآن کے مطابق زمین چپٹی نہیں

قرآن کریم میں کوئی ایسی آیت موجود نہیں جس میں یہ کہا گیا ہو کہ زمین مستوی یا چپٹی ہے۔ قرآن صرف قشرِ زمین کو قالین سے تشبیہ دیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک قالین صرف قطعی ہموار زمین ہی پر بچھایا جا سکتا ہے، حالانکہ کرۂ ارض جیسے بڑے کرے پر بھی قالین بچھانا ممکن ہے اور اس کا مظاہرہ زمین کے گلوب کا ایک بہت بڑا نمونہ لے کر اور اس پر قالین بچھا کر بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ قالین بالعموم ایک ایسی سطح پر بچھایا جاتا ہے جس پر بصورت دیگر سہولت سے نہ چلا جا سکتا ہو۔ قرآن مجید قشرِ زمین کا ذکر بطور قالین کرتا ہے جس کے نیچے گرم، سیال اور مانع حیات ماحول پایا جاتا ہے۔ قشرِ زمین کی صورت میں بچھائے گئے قالین کے بغیر بنی نوع انسان کا زندہ رہنا ممکن نہ ہوتا، لہٰذا قرآن کریم کا بیان نہ صرف عین منطق کے مطابق ہے بلکہ اس میں ایک ایسی حقیقت بھی بیان کر دی گئی ہے جسے صدیوں بعد ماہرین ارضیات نے دریافت کیا۔

---

[1] طٰہٰ: 53/20

کشادہ فرشِ ارضی

قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہ فرمایا گیا ہے کہ زمین بچھا دی گئی ہے۔حکم ربانی ہے:

﴿وَٱلْأَرْضَ فَرَشْنَـٰهَا فَنِعْمَ ٱلْمَـٰهِدُونَ ﴿٤٨﴾﴾

''ہم نے زمین کو (قالین کی طرح) بچھا دیا ہے، سو ہم کیسے اچھے بچھانے والے ہیں۔''①

اسی طرح قرآن کریم کی متعدد دوسری آیات میں زمین کو کشادہ بچھونا یا فرش کہا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَمْ نَجْعَلِ ٱلْأَرْضَ مِهَـٰدًا ﴿٦﴾ وَٱلْجِبَالَ أَوْتَادًا ﴿٧﴾﴾

''کیا ہم نے زمین کو ایک فرش نہیں بنایا؟ اور پہاڑوں کو (اس میں) میخیں (نہیں بنایا؟)''②

قرآن کریم کی کسی آیت میں معمولی سا اشارہ بھی نہیں کیا گیا کہ زمین چپٹی اور ہموار ہے۔ آیات سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زمین وسیع اور کشادہ ہے اور اس وسعت و کشادگی کی وجہ بیان کر دی گئی ہے۔قرآن عظیم میں ارشاد ہے:

﴿يَـٰعِبَادِىَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِنَّ أَرْضِى وَٰسِعَةٌ فَإِيَّـٰىَ فَٱعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾﴾

''اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! بے شک میری زمین بڑی وسیع ہے، پس میری ہی عبادت کرو۔''③

---

① الذاریات : 48/51 ② النبا :7,6/78

③ العنکبوت:56/29۔ لہٰذا کوئی شخص یہ عذر پیش نہیں کرسکتا کہ وہ نیکی نہیں کرسکا اور وہ برائیوں کے ارتکاب پر مجبور تھا کیونکہ اس کے اردگرد کا ماحول اور حالات ساز گار نہیں تھے۔

کیا قرآن، بائبل کی نقل ہے؟

''کیا یہ درست نہیں کہ محمد ﷺ نے قرآن، بائبل سے نقل کیا ہے؟''

بہت سے ناقدین یہ الزام لگاتے ہیں کہ محمد ﷺ نے یہ قرآن خود تصنیف نہیں کیا بلکہ انھوں نے اسے دوسرے انسانی ذرائع یا سابقہ الہامی کتب سے اخذ کیا ہے۔ ان کے اعتراضات اس نوع کے ہیں:

رومی لوہار کی حقیقت

بعض مشرکین نے نبیٔ کریم ﷺ پر یہ الزام لگایا کہ انھوں نے قرآن مکہ کے نواح میں مقیم ایک رومی لوہار سے سیکھا جو مذہباً عیسائی تھا۔ نبیٔ کریم ﷺ اکثر اسے کام کرتے ہوئے دیکھنے جایا کرتے تھے۔ ایک وحیٔ قرآن ہی اس الزام کو مسترد کر دینے کے لیے کافی تھی۔ سورۂ نحل میں فرمایا گیا:

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ﴿١٠٣﴾﴾

''اور ہمیں بخوبی علم ہے کہ وہ کہتے ہیں (یقیناً) اس نبی کو ایک آدمی سکھاتا ہے۔ اس

شخص کی زبان جس کی طرف یہ غلط نسبت کرتے ہیں، عجمی ہے جبکہ یہ (قرآن) تو فصیح عربی زبان ہے۔''[1]

ایک ایسا شخص جس کی مادری زبان غیر ملکی تھی اور جو عربی کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں بمشکل عربی میں بات کرسکتا تھا، قرآن مجید کا ماخذ کیسے بن سکتا تھا جو خالص، فصیح و بلیغ اور شستہ عربی زبان میں ہے؟ یہ سمجھنا کہ کسی لوہار نے (نعوذ باللہ) نبیٔ اکرم ﷺ کو قرآن سکھایا، ایسے ہی ہے جیسے کوئی یہ سمجھ بیٹھے کہ چین سے انگلستان نقل مکانی کرنے والے ایک شخص نے جو مناسب انگریزی بھی نہیں جانتا تھا، شیکسپیئر کو پڑھایا یا لکھایا۔

ورقہ بن نوفل کا کردار

محمد ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے رشتے دار ورقہ سے پڑھا، حالانکہ محمد ﷺ کے یہودی اور عیسائی علماء سے روابط بہت محدود تھے۔ آپ ﷺ جس نمایاں ترین عیسائی سے واقفیت رکھتے تھے، وہ ورقہ بن نوفل نامی نابینا شخص تھے جو نبیٔ کریم ﷺ کی پہلی زوجۂ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ایک رشتے دار تھے۔ وہ اگرچہ عربی النسل تھے لیکن انھوں نے عیسائی مذہب اپنالیا تھا اور وہ عہد نامہ جدید سے اچھے خاصے واقف تھے۔ نبیٔ کریم ﷺ کی صرف دوبار ان سے ملاقات ہوئی۔ پہلی مرتبہ اس وقت جب ورقہ (اعلان نبوت سے قبل) کعبۃ اللہ میں عبادت کررہے تھے اور انھوں نے نبیٔ کریم ﷺ کی پیشانی پر وفورِ محبت سے بوسہ دیا۔ دوسری ملاقات اس وقت ہوئی جب نبیٔ کریم ﷺ پہلی وحی کے نزول کے بعد ورقہ بن نوفل سے ملنے گئے۔ اس واقعے کے تین سال بعد ورقہ کا انتقال ہوگیا جبکہ نزول کا سلسلہ تقریباً 23 برس جاری رہا۔ یہ مفروضہ کہ قرآن مجید کی وحی کا ذریعہ ورقہ بن نوفل تھے، قطعی مضحکہ خیز مفروضہ ہے۔

---

[1] النحل : 103/16

اہل کتاب سے مذہبی بحثیں

یہ بات درست ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کی یہودیوں اور عیسائیوں سے بحثیں ہوئیں لیکن یہ بحثیں نزول وحی کے 13 برس سے زیادہ عرصے کے بعد مدینہ منورہ میں وقوع پذیر ہوئیں۔ یہ الزام کہ یہی یہودی اور عیسائی قرآن کا ماخذ تھے، ایک بیہودہ الزام ہے کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ تو ان بحثوں میں ایک معلم اور مبلغ کا کردار ادا کر رہے تھے اور انھیں قبول اسلام کی دعوت دیتے ہوئے یہ نشاندہی کر رہے تھے کہ وہ توحید کے بارے میں اپنے دین کی حقیقی تعلیمات سے منحرف ہوگئے ہیں۔ ان میں سے متعدد یہودیوں اور عیسائیوں نے بعد میں اسلام قبول کرلیا۔

پیغمبر ﷺ کا عجمیوں سے قرآن مجید سیکھنا

تمام دستیاب تاریخی شواہد سے یہ ثابت ہے کہ محمد ﷺ نے نبوت سے قبل مکہ سے باہر کے صرف تین سفر کیے:

① 9 برس کی عمر میں آپ اپنی والدہ ماجدہ کے ہمراہ یثرب (مدینہ) تشریف لے گئے۔

② 9 اور 12 برس کی عمر کے درمیان آپ اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ تجارتی سفر پر شام گئے۔

③ 25 برس کی عمر میں آپ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تجارتی قافلہ لے کر شام تشریف لے گئے۔

یہ فرض کرلینا کہ مذکورہ تین سفروں کے دوران میں عیسائیوں اور یہودیوں سے عمومی گفتگوؤں اور ملاقاتوں کے نتیجے میں قرآن وجود میں آگیا، ایک بے بنیاد اور خیالی بات ہے۔

ماخذِ قرآن

نبیٔ مکرم ﷺ نے قرآن کریم کو یہودیوں اور عیسائیوں سے ہرگز نہیں سیکھا۔ نبی ﷺ کی روزمرہ کی زندگی ایک کھلی کتاب کے مانند تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ایک وحی کے ذریعے سے لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ نبی ﷺ کو اپنے گھر میں علیحدگی (پرائیویسی) کا موقع دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَآءِ ٱلْحُجُرَٰتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝٤ وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا۟ حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝٥﴾

”بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں اور اگر بے شک وہ صبر کرتے حتی کہ آپ خود ہی ان کی طرف نکلتے تو ان کے لیے بہت بہتر ہوتا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“[1]

اگر نبیٔ کریم ﷺ ایسے لوگوں سے مل رہے ہوتے جو کفار کے دعوے کے مطابق انھیں وہ کلمات بتاتے تھے جنھیں وحی کے طور پر پیش کیا گیا تو یہ بات زیادہ دیر تک چھپی نہ رہتی۔

قریش کے انتہائی ممتاز سردار جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی اور اسلام قبول کیا، اتنے ذہین اور دانشمند تھے کہ جس ذریعے سے پیغمبران کے پاس وحی لے کر آتے تھے، اس کے متعلق اگر وہ کوئی بات مشکوک پاتے تو بآسانی بھانپ سکتے تھے، پھر یہ کوئی مختصر وقت کی بات نہیں تھی۔ نبی ﷺ کی دعوت اور تحریک 23 برس تک جاری رہی۔ اس دوران میں کبھی کسی کو اس طرح کا شک نہ گزرا۔

رسول کریم ﷺ کے دشمن اپنا یہ دعویٰ ثابت کرنے کے لیے مسلسل ٹوہ میں لگے رہتے تھے

---

[1] الحجرات : 5-4/49

کہ نبی کریم ﷺ (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں لیکن وہ اس بات کے حق میں ایک بھی مثال پیش نہ کرسکے کہ کبھی آپ نے مخصوص یہودیوں اور عیسائیوں سے کوئی خفیہ ملاقات کی ہو۔

یہ بات بھی ناقابل تصور ہے کہ کوئی شخص ایسی صورت حال قبول کرسکتا ہے کہ وہ قرآن وضع کرے لیکن اس کا کوئی کریڈٹ بھی نہ لے، لہٰذا تاریخی اور منطقی طور پر یہ دعویٰ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن کا کوئی انسانی ماخذ تھا۔ [1]

محمد ﷺ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے

یہ دعویٰ کہ محمد ﷺ نے خود قرآن تصنیف کیا یا اسے دوسرے ذرائع سے نقل کیا، محض اس ایک تاریخی حقیقت سے غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ ﷺ پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن میں اس بات کی تصدیق فرماتا ہے۔ سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوا:

﴿وَمَا كُنتَ تَتْلُوا۟ مِن قَبْلِهِۦ مِن كِتَـٰبٍ وَلَا تَخُطُّهُۥ بِيَمِينِكَ ۖ إِذًا لَّٱرْتَابَ ٱلْمُبْطِلُونَ ﴿٤٨﴾﴾

”اور (اے نبی!) آپ اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے، (اگر ایسا ہوتا) تو باطل پرست یقیناً شک کرسکتے تھے۔“ [2]

اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ بہت سے لوگ قرآن کے مستند ہونے پر شک کریں گے اور اسے محمد ﷺ کی ذات سے منسوب کریں گے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنی ابدی حکمت سے ایک ”اُمّی“ کو اپنا آخری نبی بنا کر بھیجا تاکہ باطل پرستوں کے پاس نبی ﷺ پر شک کرنے کا کوئی معمولی

---

[1] سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ نے یہودیوں اور عیسائیوں سے قرآن سیکھا تھا تو پھر انھیں قبول قرآن میں تامل نہیں کرنا چاہیے تھا جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے ہی آپ کی مخالفت کی جو آج تک جاری ہے۔ (عثمان منیب)

[2] العنکبوت: 48/29

سا جواز بھی باقی نہ رہنے دیا جائے۔ آپ ﷺ کے دشمنوں کا یہ الزام کہ آپ نے دوسرے ذرائع سے قرآن اخذ کیا اور پھر اسے خوبصورت عربی زبان میں ڈھال لیا، شاید کسی وزن کا حامل ہوسکتا تھا لیکن اس کمزور عذر کو بھی کافروں اور شک کرنے والوں پر الٹ دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۂ اعراف میں اس کی دوبارہ توثیق کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلرَّسُولَ ٱلنَّبِيَّ ٱلْأُمِّيَّ ٱلَّذِى يَجِدُونَهُۥ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِى ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ﴾

''(متقی اور مومن) وہ لوگ ہیں جو اس رسول امی نبی (محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔''[1]

اُمّی نبی ﷺ کی آمد کی پیش گوئی بائبل میں

اُمّی نبی ﷺ کی آمد کی پیش گوئی بائبل کی کتاب یسعیاہ باب:29 فقرہ:12 میں بھی موجود ہے:

''پھر وہ کتاب اسے دیں جو لکھنا پڑھنا نہیں جانتا اور کہیں، اسے پڑھ اور وہ کہے میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔''[2]

قرآن کریم کم از کم چار مقامات پر اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ اس امر کا ذکر سورۂ اعراف کی آیت:158 اور سورۂ جمعہ کی آیت:2 میں بھی کیا گیا ہے۔

بائبل کا عربی مسودہ

نبیٔ کریم ﷺ کے دور مبارک میں بائبل کا عربی زبان میں کوئی مسودہ موجود نہیں تھا۔

---

[1] الأعراف: 157/7

[2] کتاب مقدس، یسعیاہ : 29 /12

عہد نامۂ عتیق (Old Testament) کا سب سے پہلا عربی نسخہ وہ ہے جو پادری سعادیاس گین(R.Saadias Gaon) نے 900 عیسوی میں تیار کیا، یعنی ہمارے پیارے نبی ﷺ کی رحلت کے تقریباً 250 برس بعد۔ عہدنامۂ جدید (New Teslament) کا سب سے قدیم عربی نسخہ ارپینئس (Erpenius) نے ہمارے نبی ﷺ کی وفات کے تقریباً ایک ہزار سال بعد 1616 عیسوی میں شائع کیا۔

قرآن اور بائبل میں یکسانیت

قرآن اور بائبل میں پائی جانے والی یکساں باتوں سے لازمی طور پر یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ اول الذکر مؤخر الذکر سے نقل کیا گیا ہے۔ فی الحقیقت یہ اس بات کی شہادت ہے کہ یہ دونوں کسی تیسرے مشترک ذریعے پر مبنی ہیں۔ تمام صحائف ربانی کا منبع ایک ہی ذات، یعنی رب کائنات ہے۔ یہود ونصاریٰ کی کتب اور ان سے بھی قدیم آسمانی صحیفوں میں انسانی ہاتھوں سے کی جانے والی تحریفات کے باوجود، ان کے بعض حصے تحریف سے محفوظ رہے ہیں اور اسی لیے وہ کئی مذاہب میں مشترک ہیں۔

یہ بات بھی درست ہے کہ قرآن اور بائبل میں بعض یکساں چیزیں موجود ہیں لیکن اس کی بنا پر محمد ﷺ پر یہ الزام لگانے کا کوئی جواز نہیں کہ انھوں نے بائبل سے کوئی چیز نقل کی یا اس سے اخذ کر کے قرآن مرتب کیا۔ اگر یہ منطق درست ہے تو یہ مسیحیت اور یہودیت پر بھی لاگو ہوگی اور غلط طور پر یہ دعویٰ بھی کیا جا سکے گا کہ یسوع مسیح علیہ السلام (نعوذ باللہ) سچے نبی نہیں تھے اور انھوں نے محض عہد نامہ عتیق کی نقل کرنے پر اکتفا کیا۔

قرآن اور بائبل کے درمیان یکساں باتیں درحقیقت اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ ان کا منبع مشترک، یعنی ذات حق تعالیٰ ہے۔ یہ توحید کے بنیادی پیغام کا تسلسل ہے اور یہ مفروضہ

غلط ہے کہ بعد میں آنے والے انبیاء نے گزشتہ انبیاء کی باتیں ان سے مستعار لے لی ہیں۔

اگر کوئی امتحان میں نقل کر رہا ہو تو وہ یقیناً اپنے پرچے میں یہ نہیں لکھے گا کہ میں نے اپنے پاس بیٹھے طالب علم زید یا بکر سے نقل کی ہے جبکہ محمد رسول اللہ ﷺ گزشتہ انبیائے کرام کا احترام کرتے اور ان کی عظمت بیان کرتے ہیں اور قرآن کریم میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ مختلف انبیاء ورسل پر اللہ قادر مطلق کی طرف سے صحیفے نازل کیے گئے تھے۔

تمام آسمانی کتابوں پر ایمان

اللہ تعالیٰ کی چار کتابوں کا قرآن میں نام لے کر ذکر کیا گیا ہے اور مسلمان ان سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ ہیں: تورات، زبور، انجیل اور قرآن۔

- تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام (Moses) پر بصورت الواح (تختیاں) نازل کی گئی۔
- زبور حضرت داؤد علیہ السلام (David) پر اتری۔
- انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام (Jesus) پر نازل ہوئی۔
- قرآن مجید وہ آخری کتاب ہے جس کا نزول اللہ کے آخری نبی اور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ پر ہوا۔

تمام نبیوں اور تمام الہامی کتابوں پر ایمان لانا ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے، تاہم موجودہ بائبل کے عہد نامہ عتیق کی پہلی پانچ کتابیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہیں اور مزامیر (Psalms) حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں، مزید براں عہد نامۂ عتیق کی یہ کتابیں اور عہد نامۂ جدید یا اس کی چار انجیلیں وہ تورات، زبور یا انجیل نہیں ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ موجودہ بائبل میں جزوی طور پر کلامِ خداوندی موجود ہو سکتا ہے لیکن یہ کتابیں یقیناً اپنی اصل حالت میں نہیں ہیں۔ نہ وہ پوری طرح صحیح ہیں اور نہ ان میں

پیغمبروں پر نازل شدہ مکمل کلامِ وحی موجود ہے۔[1]

قرآن مجید تمام انبیاء ورسل کو ایک ہی سلسلے سے متعلق قرار دیتا ہے اور ہمیں بتاتا ہے کہ ان سب کی نبوت کا ایک ہی نصب العین تھا اور ان کا بنیادی پیغام بھی ایک ہی تھا۔ اسی بنا پر قرآن کریم وضاحت کرتا ہے کہ بڑے بڑے مذاہب کی بنیادی تعلیمات باہم متضاد نہیں ہوسکتیں، باوجود اس کے کہ مختلف نبوتوں کے مابین قابل ذکر بُعدِ زمانی موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان سب نبوتوں کا منبع صرف ایک تھا، یعنی اللہ جو قادر مطلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ مختلف ادیان کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان کی ذمہ داری انبیاء پر نہیں بلکہ ان کے پیروکاروں پر عائد ہوتی ہے جو سکھائے ہوئے علم کا ایک حصہ بھول گئے، مزید برآں انھوں نے الہامی کتابوں کی غلط تعبیر کی اور ان میں تحریف بھی کر ڈالی، لہٰذا قرآن کریم کو ایک ایسی کتاب تصور نہیں کیا جاسکتا جو موسیٰ، عیسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے مقابلے میں اتاری گئی ہے۔ اس کے برعکس یہ کتاب گزشتہ انبیاء کی طرف سے ان کی امتوں کی طرف لائے گئے پیغامات کی توثیق وتصدیق اور ان کی تکمیل کرتی اور انھیں نقطۂ کمال تک پہنچاتی ہے۔

قرآن کا ایک نام فرقان بھی ہے جس کا مطلب حق و باطل میں امتیاز کرنے کی کسوٹی یا معیار ہے اور قرآن ہی کی بنیاد پر ہم یہ دریافت کرسکتے ہیں کہ سابقہ الہامی کتابوں کے کون سے حصے کو کلام الٰہی تصور کیا جاسکتا ہے۔

---

[1] چار انجیلوں (Gospels) یعنی انجیل متی، انجیل لوقا، انجیل یوحنا اور انجیل مرقس کی موجودگی سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ انسانوں کی تصنیف کی ہوئی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ انجیل کا اب اپنی اصلی صورت میں کوئی وجود نہیں۔ یاد رہے متی (St,Mthew)، لوقا (St,Luke) یوحنا (St,John) اور مرقس (St,Mark) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری تھے۔ (محسن فارانی)

قرآن اور بائبل کے درمیان سائنسی بنیاد پر تقابل

قرآن مجید اور بائبل کے سرسری مطالعے میں آپ کو متعدد ایسے نکات نظر آئیں گے جو دونوں میں قطعی یکساں معلوم ہوتے ہیں لیکن جب آپ بغور ان کا جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سراسر اختلاف پایا جاتا ہے۔ صرف تاریخی تفصیلات کی بنیاد پر کسی ایسے شخص کے لیے جو مسیحیت یا اسلام میں سے کسی کی تعلیمات پر عبور نہ رکھتا ہو، یہ فیصلہ کرنا سخت مشکل ہوگا کہ دونوں الہامی کتب میں سے صحیح کون سی ہے؟ تاہم اگر آپ دونوں کتابوں کے متعلقہ اقتباسات کو سائنسی علوم کے معیار پر پرکھنے کی کوشش کریں گے تو آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ سچ کیا ہے۔ ذیل میں دی گئی چند مثالوں سے آپ حقیقت حال سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔

■ بائبل اور کائنات کی تخلیق: بائبل کی پہلی کتاب پیدائش (Genesis) کے باب اول میں لکھا ہے کہ کائنات چھ دنوں میں پیدا کی گئی اور ہر دن سے مراد 24 گھنٹے کا دورانیہ ہے۔ اگرچہ قرآن مجید میں بھی یہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ کائنات چھ ''ایام'' میں پیدا کی گئی لیکن قرآن کے مطابق یہ ''ایام'' سالہا سال طویل ہیں۔ اس لفظ ''یوم'' کے دو معانی ہیں، اول یہ کہ دن سے مراد معمول کے 24 گھنٹے کا دن ہے اور دوم اس سے مراد ایک مرحلہ، یا ایک دور یا ایک ایسا عہد ہے جو بہت طویل زمانے پر مشتمل ہو۔

جب قرآن مجید یہ کہتا ہے کہ کائنات چھ دنوں میں پیدا کی گئی تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کو چھ طویل ادوار یا زمانوں میں پیدا کیا گیا۔ سائنسدانوں کو اس بیان پر کوئی اعتراض نہیں۔ کائنات کی تخلیق میں اربوں سال صرف ہوئے اور یہ بات بائبل کے اس تصور کے منافی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ کائنات صرف چھ دنوں میں پیدا کی گئی جبکہ ہر دن چوبیس گھنٹے کا تھا۔

■ **بائبل اورسورج کی تخلیق:** بائبل کی کتاب ''پیدائش'' میں کہا گیا ہے کہ روشنی، دن اور رات کو خدا نے کائنات کی تخلیق کے پہلے روز پیدا کیا، چنانچہ اس میں لکھا ہے:

''خدا نے ابتدا میں زمین و آسمان کو پیدا کیا، اور زمین ویران اور سنسان تھی اور گہراؤ کے اوپر اندھیرا تھا اور خدا کی روح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی۔ اور خدا نے کہا کہ روشنی ہوجا اور روشنی ہوگئی۔ اور خدا نے دیکھا کہ روشنی اچھی ہے اور خدا نے روشنی کو تاریکی سے جدا کیا۔ اور خدا نے روشنی کو تو دن کہا اور تاریکی کو رات، اور شام ہوئی اور صبح ہوئی۔ سو پہلا دن ہوا۔''①

جدید سائنس کے مطابق کائنات میں گردش کرتی ہوئی روشنی درحقیقت ستاروں میں ایک پیچیدہ عمل کا نتیجہ ہے جبکہ بائبل کے مطابق سورج، چاند اور ستارے چوتھے روز پیدا کیے گئے۔ کتاب ''پیدائش'' میں لکھا ہے:

''سو خدا نے دو بڑے نیّر بنائے۔ ایک نیّر اکبر کہ دن پر حکم کرے اور ایک نیّر اصغر کہ رات پر حکم کرے اور اس نے ستاروں کو بھی بنایا۔ اور خدا نے ان کو فلک پر رکھا کہ زمین پر روشنی ڈالیں، دن اور رات پر حکم کریں اور اجالے کو اندھیرے سے جدا کریں، اور خدا نے دیکھا کہ اچھا ہے۔ اور شام ہوئی اور صبح ہوئی۔ سو چوتھا دن ہوا۔''②

یہ بات خلاف منطق ہے کہ روشنی کا منبع نیّر اکبر (سورج) تو تین دن بعد پیدا کیا گیا لیکن سلسلۂ روز و شب جو سورج کی روشنی کا نتیجہ ہے پہلے دن ہی پیدا کردیا گیا، مزید براں ایک دن کے عناصر، یعنی صبح و شام کے وجود کا ادراک تو سورج کے سامنے زمین کی گردش محوری کے بعد

---

① کتاب مقدّس، پیدائش: 1/ 3- 5

② کتاب مقدس، پیدائش: 1/ 16- 19

ہی ہوسکتا ہے مگر بائبل کے مطابق صبح اور شام کی تخلیق سورج کی تخلیق سے تین دن پہلے ہی عمل میں آ گئی۔

اس کے برعکس قرآن مجید میں اس موضوع پر تخلیق کائنات کی کوئی غیر سائنسی ترتیب زمانی نہیں دی گئی، لہٰذا یہ کہنا سراسر غلط اور مضحکہ خیز ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے تخلیق کائنات کے موضوع پر بائبل کے اقتباسات تو نقل کر لیے مگر بائبل کی خلاف منطق اور عجیب وغریب باتیں چھوڑ دیں۔

■ **سورج روشنی خارج کرتا ہے چاند نہیں:** بائبل کے مطابق سورج اور چاند دونوں روشنی خارج کرتے ہیں جیسا کہ کتاب پیدائش میں انھیں بالترتیب ''نیّر اکبر'' اور ''نیّر اصغر'' قرار دیا گیا ہے لیکن جدید سائنس کے مطابق چاند کی اپنی کوئی روشنی نہیں اور وہ محض شمسی روشنی کو منعکس کرتا ہے۔ اس سے قرآن مجید کے اس نظریے کی تائید ہوتی ہے کہ چاند ''منیر'' یعنی روشنی کو منعکس کرنے والا ہے اور اس سے آنے والی روشنی منعکس شدہ ہے۔ اب یہ سوچنا دُور از کار بات ہے کہ نبی ﷺ نے بائبل کی ان سائنسی غلطیوں کی اصلاح کی اور پھر ایسی اصلاح شدہ عبارات قرآن میں شامل کر لیں۔

■ **تخلیق نباتات اور سورج:** بائبل کی کتاب ''پیدائش'' باب اول، فقرہ: 11 تا 13 کے مطابق نباتات، گھاس، بیج دار پودوں اور پھل دار درختوں کو تیسرے روز پیدا کیا گیا جبکہ اسی باب کے فقرہ: 14 تا 19 کے مطابق سورج کی تخلیق چوتھے روز عمل میں آئی۔ سائنسی اعتبار سے یہ کیسے ممکن ہے کہ نباتات سورج کی حرارت کے بغیر ہی وجود میں آ جائیں؟ جیسا کہ بائبل میں بیان کیا گیا ہے۔

اگر غیر مسلم معترضین کے بقول نبیٔ کریم ﷺ (نعوذ باللہ) فی الواقع قرآن کے مصنف تھے اور انھوں نے بائبل کے مواد سے کچھ نقل کیا تو آخر یہ کیسے ممکن ہوا کہ انھوں نے بائبل میں

شامل وہ بیانات چھوڑ دیے جو سائنسی حقائق سے مطابقت نہیں رکھتے اور قرآن میں ایسا کوئی بیان نہیں ملتا جو سائنسی حقائق کے خلاف ہو؟

■ **تخلیقِ آدم اور بائبل:** بائبل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور کرۂ ارض پر پہلے انسان، یعنی آدم علیہ السلام تک بیان کردہ سلسلۂ نسب کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام آج سے تقریباً 5800 برس قبل زمین پر مبعوث کیے گئے۔ آدم علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تقریباً 1948 برس کا بُعد ہے اور ابراہیم علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقریباً 1800 برس کا فاصلہ ہے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آج تک 2000 برس گزر چکے ہیں۔ رائج الوقت یہودی کیلنڈر بھی تقریباً 5800 سال پرانا ہے جو کہ تخلیق کائنات سے شروع ہوتا ہے۔

آثار قدیمہ اور بشریات (Anthropology) کے مآخذ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر قدم رکھنے والا پہلا انسان آج سے دسیوں ہزار سال پہلے پیدا ہوا تھا۔ قرآن نے بھی آدم علیہ السلام کا ذکر زمین پر پہلے انسان کے طور پر کیا ہے لیکن بائبل کے برعکس اس نے نہ تو ان کی کوئی تاریخ بیان کی ہے اور نہ یہ بتایا ہے کہ وہ زمین پر کتنا عرصہ رہے۔ ادھر بائبل نے اس کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ سائنسی حقائق کے بالکل برعکس ہے۔

■ **طوفانِ نوح اور بائبل:** بائبل کی کتاب پیدائش کے ابواب: 6، 7 اور 8 سے ظاہر ہوتا ہے کہ طوفان نوح عالم گیر طوفان تھا جس نے روئے زمین پر ہر زندہ چیز کو تباہ کردیا سوائے ان کے جو نوح علیہ السلام کے ہمراہ کشتی میں سوار تھے۔

> ''کیا انسان، کیا حیوان، کیا رینگنے والا جاندار، کیا ہوا کا پرندہ یہ سب کے سب زمین پر مر مٹے، فقط ایک نوح باقی بچا یا وہ جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے۔''[1]

بائبل کے بیان سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ یہ واقعہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کے 1656 سال بعد یا

---

[1] کتاب پیدائش : 7 /23

ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش سے 292 برس قبل اس وقت پیش آیا جب نوح علیہ السلام کی عمر 600 برس ہو چکی تھی۔ گویا یہ طوفان 21 ویں یا 22 ویں صدی قبل مسیح میں آیا ہوگا۔

بائبل میں طوفان کی جو کہانی بیان کی گئی ہے وہ آثارِ قدیمہ کے مآخذ سے ملنے والی سائنسی شہادتوں سے متضاد ہے جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مذکورہ صدیوں میں مصر کے گیارھویں حکمران خاندان اور بابل کے تیسرے خانوادے کی سلطنتیں کسی تہذیبی بحران کے بغیر مسلسل قائم تھیں اور کسی بڑے طوفان سے متاثر نہیں ہوئی تھیں جو اکیسویں بائیسویں صدی قبل مسیح میں آیا ہو۔ یہ بات بائبل کے اس قصے کی تردید کرتی ہے کہ طوفان کے پانیوں میں ساری دنیا ڈوب گئی تھی۔ اس کے برعکس قرآن مجید میں نوح علیہ السلام اور طوفان نوح کے بارے میں جو قصہ بیان کیا گیا ہے وہ کسی سائنسی شہادت یا آثار قدیمہ کے کوائف سے متصادم نہیں۔ اول تو قرآن اس واقعے کی کسی متعین تاریخ یا سال کی نشاندہی نہیں کرتا۔ دوم، قرآن کے مطابق بظاہر یہ سیلاب ایک عالم گیر واقعہ نہیں تھا جس نے زمین پر موجود زندگی کو مکمل طور پر تباہ کر دیا ہو۔

لہٰذا یہ فرض کرنا غیر منطقی بات ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طوفان نوح کا قصہ بائبل سے مستعار لیا اور اس کا ذکر قرآن میں کرنے سے پہلے غلطیوں کی تصحیح کر دی۔

■ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون: قرآن کریم اور بائبل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون (جس کے دور میں یہود کا مصر سے خروج عمل میں آیا) کے جو قصے بیان کیے گئے ہیں، وہ ایک دوسرے سے بہت ملتے جلتے ہیں۔ دونوں الہامی کتب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ فرعون نے جب موسیٰ علیہ السلام کا تعاقب کرنے کی کوشش کی تو وہ اس کھاڑی کو عبور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ڈوب گیا جسے موسیٰ علیہ السلام اسرائیلیوں کے ہمراہ پار کر گئے تھے۔ قرآن کریم کی سورۂ یونس میں ایک مزید خبر یہ دی گئی ہے:

﴿فَٱلْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ ءَايَةً ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلنَّاسِ عَنْ

ءَايَٰتِنَا لَغَٰفِلُونَ ﴿٩٢﴾

''آج ہم تیرا جسم بچا کر (سمندر سے) باہر نکال پھینکیں گے تا کہ وہ اپنے بعد والوں کے لیے نشان (عبرت) ہو، اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔''[1]

ڈاکٹر موریس بکائے نے مکمل تحقیقات کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ اگر چہ فرعون رُعمسیس ثانی اس بات کے لیے معروف ہے کہ اس نے بائبل کے بیان کے مطابق اسرائیلیوں پر ظلم ڈھائے لیکن فی الحقیقت وہ اس وقت ہلاک ہوگیا تھا جب موسیٰ علیہ السلام مدین میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ رعمسیس ثانی کا بیٹا منفتاح اس کا جانشین ہوا اور وہی یہود کے مصر سے خروج کے دوران میں بحیرۂ قلزم کی کھاڑی میں ڈوب کر مرگیا۔ 1898ء میں مصر کی وادیٔ ملوک میں منفتاح کی مومیائی ہوئی لاش پائی گئی۔ 1975ء میں ڈاکٹر موریس بکائے نے دوسرے فضلاء کے ساتھ مل کر منفتاح کی مومیا کا معاینہ کرنے کی اجازت حاصل کی۔ اس کے معاینے سے انھوں نے جو نتائج اخذ کیے، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ منفتاح غالباً ڈوبنے سے یا اس شدید صدمے کی وجہ سے جو ڈوبنے سے عین پہلے اسے پیش آیا، ہلاک ہوا، لہٰذا اس قرآنی آیت کی صداقت کہ ''ہم اس کی لاش کو عبرت کے طور پر محفوظ رکھیں گے۔'' فرعون کی لاش ملنے سے ظاہر ہوگئی جو اب مصری عجائب گھر (متحف مصری) واقع قاہرہ میں پڑی ہے۔

اس آیت قرآنی نے ڈاکٹر موریس بکائے کو، جو اس وقت تک عیسائی تھا، مطالعۂ قرآن پر مجبور کردیا۔ بعد میں اس نے ''بائبل، قرآن اور سائنس'' کے عنوان سے کتاب لکھی اور اس بات کا اعتراف کیا کہ قرآن کا مصنف اللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ ڈاکٹر بکائے نے آخر کار اسلام قبول کرلیا۔

---

[1] یونس : 92/10

قرآن اللہ کی کتاب

یہ شواہد اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ قرآن مجید، بائبل سے نقل نہیں کیا گیا بلکہ قرآن تو فرقان ہے، یعنی وہ کسوٹی جس کے ذریعے سے حق اور باطل میں امتیاز کیا جاسکتا ہے اور اس سے استفادہ کر کے یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ بائبل کا کون سا حصہ کلامِ الٰہی تصور کیا جاسکتا ہے۔ قرآن مجید خود اس کی شہادت دیتا ہے۔ سورۃ السجدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الٓمٓ ① تَنزِيلُ ٱلْكِتَـٰبِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ ٱلْعَـٰلَمِينَ ② أَمْ يَقُولُونَ ٱفْتَرَىٰهُ ۚ بَلْ هُوَ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّآ أَتَىٰهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ③﴾

''الٓمٓ۔ بے شک اس کتاب کا نزول رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ نبی نے اسے خود گھڑ لیا ہے؟ (نہیں!) بلکہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، شاید کہ وہ ہدایت پائیں۔''[1]

① السجدة : 32/1-3

کیا قرآن اللہ کا کلام ہے؟

”قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ اس کے برعکس یہ شیطان کا کارنامہ ہے؟“

متعصب مغربی مصنفین اور پادری یہ بے سروپا الزام دہراتے رہتے ہیں، اسی طرح کا الزام مکہ کے کافروں نے بھی لگایا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شیطان کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔

جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«اِشْتَكٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ: يَا مُحَمَّدُ! إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يَكُوْنَ شَيْطَانُكَ قَدْ تَرَكَكَ، لَمْ أَرَهُ قَرِبَكَ مُنْذُ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَأَنْزَلَ اللهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَٱلضُّحَىٰ ① وَٱلَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ② مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ③﴾»

”(ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے تو آپ نے دو یا تین راتیں قیام اللیل نہ کیا۔ اس دوران میں ایک عورت آئی اور کہنے لگی: اے محمد! میرا خیال ہے کہ تمھارے شیطان نے تمھارے پاس آنا چھوڑ دیا ہے۔ میں نے دو تین راتوں سے اسے تمھارے پاس آتے نہیں دیکھا۔ اس پر اللہ عزّوجلّ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

”دن چڑھے کی قسم! اور رات کی جب وہ چھا جائے (اے نبی!) آپ کے رب نے

آپ کو نہ چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔''[1]

پھر سورۂ واقعہ کی درج ذیل آیات نازل ہوئیں:

﴿إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ ﴿٧٧﴾ فِى كِتَٰبٍ مَّكْنُونٍ ﴿٧٨﴾ لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ﴿٧٩﴾ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٨٠﴾﴾

''بے شک یہ قرآن نہایت قابل احترام ہے ایک محفوظ کتاب میں۔ اسے بس پاک (فرشتے) ہی ہاتھ لگاتے ہیں۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔''[2]

''کتاب مکنون'' سے مراد ایسی کتاب جو خوب محفوظ و مصئون ہو۔ اور اس میں آسمان پر موجود لوحِ محفوظ کی طرف اشارہ ہے۔ اس کتاب قرآن مجید کو مطہّرین کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا اور مطہّرین کے معنی ہیں'' جو ہر قسم کی ناپاکی، آلودگی یا گناہوں جیسی بُرائیوں سے پاک ہیں۔'' یہ فرشتوں کی طرف اشارہ ہے اور شیطان قرآن کو ہرگز چھو نہیں سکتا۔

اب چونکہ شیطان کے لیے قرآن پاک کو چھونا ممنوع ہے اور وہ اس کے قریب نہیں پھٹک سکتا، اس لیے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اس نے قرآن مجید کی آیات لکھی ہوں۔ مزید برآں سورۃ الشعراء میں کہا گیا ہے:

﴿وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ ٱلشَّيَٰطِينُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا يَنۢبَغِى لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٢١١﴾ إِنَّهُمْ عَنِ ٱلسَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ﴿٢١٢﴾﴾

''اور شیاطین اس (قرآن) کو لے کر نازل نہیں ہوئے اور نہ یہ ان کے لائق ہے اور نہ وہ اس کی استطاعت ہی رکھتے ہیں۔ بے شک وہ تو اس کے سُننے سے بھی دور رکھے گئے ہیں۔''[3]

---

① صحيح البخاری، التفسير، سورة ﴿والضحى﴾، باب : 1، حديث : 4950

② الواقعة : 56/77-80　③ الشعراء: 26/210-212

شیطان کے متعلق غلط تصور

بہت سے لوگ شیطان کا غلط تصور رکھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شیطان غالبًا ہر کام کر سکتا ہے، سوائے چند کاموں کے جو اللہ انجام دے سکتا ہے۔ ان کے نزدیک شیطان اقتدار و اختیار میں اللہ سے قدرے نیچے ہے۔ چونکہ یہ لوگ تسلیم کرنا نہیں چاہتے کہ قرآن معجز نما وحی ہے، لہٰذا وہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ شیطان کا کارنامہ ہے۔ لیکن غور کیجیے! اگر شیطان نے قرآن لکھا ہوتا تو وہ اسی قرآن کی سورۂ نحل میں یہ ذکر نہ کرتا:

﴿فَإِذَا قَرَأْتَ ٱلْقُرْءَانَ فَٱسْتَعِذْ بِٱللَّهِ مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ ﴿٩٨﴾﴾

''پھر جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگیں۔''[1]

کیا خیال ہے شیطان ایسی کتاب تصنیف کر سکتا تھا؟ کیا وہ انسانوں سے یہ کہہ سکتا تھا کہ ''میری کتاب پڑھنے سے پہلے اللہ سے دعا مانگ لیا کرو کہ وہ تمھیں اپنی پناہ میں رکھے'' مزید برآں قرآن مجید میں کئی آیات ہیں جو اس امر کی کافی شہادت دیتی ہیں کہ شیطان قرآن کا مصنف نہیں۔ سورۂ اعراف میں ہے:

﴿وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ ٱلشَّيْطَٰنِ نَزْغٌ فَٱسْتَعِذْ بِٱللَّهِ ۚ إِنَّهُۥ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٠٠﴾﴾

''اور اگر آپ کو شیطان کا کوئی وسوسہ اُبھارے تو اللہ کی پناہ مانگیے۔ بے شک وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔''[2]

اب شیطان بھلا اپنے پیروکاروں کو کیوں بتاتا کہ جب وہ ان کے ذہن میں کوئی وسوسہ ڈالے تو وہ اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں جس کا وہ کھلا دشمن ہے۔ سورۂ یٰس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

---

[1] النحل: 98/16 [2] الأعراف: 200/7

﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ أَن لَّا تَعْبُدُواْ ٱلشَّيْطَٰنَ إِنَّهُۥ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٦٠﴾﴾

''اے بنی آدم! کیا میں نے تمھیں یہ تاکید نہیں کی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ بلاشبہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔''[1]

کفار کو شیطان نے پٹی پڑھائی

شیطان ذہین ہے، لہٰذا یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ اس نے بعض لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال ڈال دیا کہ شیطان ہی نے قرآن تصنیف کیا۔ اللہ قادرِ مطلق کے مقابلے میں شیطان کی کوئی اہمیت نہیں اور اللہ کہیں زیادہ علیم و حکیم ہے۔ وہ شیطان کے گھناؤنے ارادوں کو جانتا ہے، اسی لیے اس نے قرآن کے قاری کو کئی شواہد فراہم کیے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کلام الٰہی ہے اور یہ شیطان کی تصنیف ہرگز نہیں۔ انجیل مرقس میں لکھا ہے:

''اور اگر کسی سلطنت میں پھوٹ پڑ جائے تو وہ سلطنت قائم نہیں رہ سکتی۔ اور اگر کسی گھر میں پھوٹ پڑ جائے تو وہ گھر قائم نہ رہ سکے گا۔ اور اگر شیطان اپنا ہی مخالف ہو کر اپنے میں پھوٹ ڈالے تو وہ قائم نہیں رہ سکتا بلکہ اُس کا خاتمہ ہو جائے گا۔''[2]

یہ کسی طور ممکن نہیں تھا کہ شیطان اپنا ہی مخالف ہو کر ایک ایسی کتاب تصنیف کرتا جو شیطنت کی جڑ کاٹتی ہے، لہٰذا قرآن مجید کے بارے میں کفارِ مکہ اور یہود و نصاریٰ کا مذکورہ بالا الزام بے سروپا اور سراسر خلاف حقیقت ہے!

یہ کتاب خرید کر مسلمانوں اور غیر مسلموں میں بانٹیے اور ثواب دارین حاصل کیجیے (ان شاء اللہ)

[1] یٰسٓ: 60/36

[2] مرقس، باب: 3، فقرہ: 24-26

اللہ معاف کرنے والا ہے یا منتقم مزاج؟

''قرآن کئی مقامات پر یہ کہتا ہے کہ اللہ نہایت رحم کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ سخت سزا دینے والا ہے۔ تو کیا فی الحقیقت وہ معاف فرمانے والا ہے یا منتقم مزاج ہے؟''

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر فرمایا گیا ہے کہ اللہ نہایت رحم کرنے والا ہے۔ فی الواقع قرآن کریم کی نویں سورت، سورۂ توبہ کے سوا تمام سورتیں ﴿بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ﴾ کے خوبصورت الفاظ کے ساتھ شروع ہوتی ہیں جن کے معانی ہیں: ''اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور انتہائی رحم فرمانے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی معافی

قرآن مجید میں سورۂ نساء کی 25 ویں آیت اور سورۂ مائدہ کی آیت: 75 سمیت متعدد مقامات پر فرمایا گیا ہے:

﴿وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٥﴾﴾

''اور اللہ بہت معاف فرمانے اور انتہائی رحم کرنے والا ہے۔''[1]

---

[1] النساء: 25/4

اللہ تعالیٰ کی پکڑ

اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہونے کے ساتھ بہت سخت بھی ہے اور سزا کے مستحق لوگوں کو عذاب بھی دیتا ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملحدوں اور کافروں کو سخت سزا دے گا۔ وہ ان سب کو عذاب میں مبتلا کرے گا جو اس کی نافرمانی کے مرتکب ہیں۔ کئی آیات میں مختلف قسم کی شدید سزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے جو جہنم میں نافرمانی کرنے والوں کو دی جائیں گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ بِـَٔايَٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَٰهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُواْ ٱلْعَذَابَ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝٥٦﴾

''بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا، ہم جلد انھیں آگ میں ڈالیں گے۔ جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کی جگہ دوسری کھالیں چڑھا دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھیں۔ بے شک اللہ بہت زبردست، بڑی حکمت والا ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ کا عدل

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا ہے یا منتقم ہے؟ اس سلسلے میں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ اللہ غفور ورحیم ہونے کے علاوہ سزا کے مستحق بداعمال اور برے لوگوں کو سخت سزا بھی دیتا ہے کیونکہ وہ عادل بھی ہے۔ سورۂ نساء میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾

''بے شک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔''[2]

---

① النساء: 56/4 ② النساء: 40/4

سورۂ انبیاء میں یہ حقیقت یوں بیان کی گئی ہے:

﴿وَنَضَعُ ٱلْمَوَٰزِينَ ٱلْقِسْطَ لِيَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۖ وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا ۗ وَكَفَىٰ بِنَا حَٰسِبِينَ ﴿٤٧﴾﴾

''اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے، پھر کسی شخص پر ظلم نہ ہوگا، اوراگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا) عمل ہوگا تو ہم اسے (تولنے کے لیے وہاں) لے آئیں گے۔ اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں۔''[1]

عدل کی ایک مثال

کیا استاد اس طالب علم کو معاف کر دیتا ہے جو امتحان میں نقل کرتا ہے؟ اگر امتحان کے دوران میں ایک طالب علم نقل کرتا پایا جائے اور امتحان میں نگرانی کرنے والا استاد اس کو رنگے ہاتھوں پکڑ لے تو کیا استاد یہ کہتا ہے کہ وہ بہت قابل رحم ہے اور پھر اسے نقل جاری رکھنے کی اجازت دے دیتا ہے؟ یقیناً وہ طالب علم جنھوں نے امتحانات کے لیے محنت کی ہوگی، استاد کو قطعاً رحم دل اور مہربان نہیں کہیں گے بلکہ اسے غیر عادل قرار دیں گے۔ استاد کا یہ رحم دلانہ فعل دوسرے طالب علموں کے لیے بھی نقل کی ترغیب کا باعث ہوگا۔ اگر تمام اساتذہ اسی کی طرح رحم دل اور مہربان ہو جائیں اور طالب علموں کو نقل کی اجازت دینے لگیں تو کوئی طالب علم کبھی امتحانات کے لیے مطالعہ نہیں کرے گا جبکہ نقل کرکے وہ اعلیٰ درجے میں امتحان پاس کرلے گا۔ نظری طور پر امتحانات کے نتائج بڑے شاندار ہوں گے جن میں تمام طلبہ اول درجے میں اور امتیازی نمبروں کے ساتھ کامیاب قرار پائیں گے لیکن عملی طور پر وہ زندگی میں ناکام ہو جائیں گے اور امتحانات کا سارا مقصد ہی غارت ہو جائے گا۔

---

[1] الأنبياء: 47/21

دنیا کی زندگی آخرت کے لیے آزمائش ہے

دنیا کی زندگی آخرت کی زندگی کے لیے ایک امتحان ہے۔ قرآن کریم کی سورۃ الملک میں اشارہ ہوتا ہے:

﴿ ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلْمَوْتَ وَٱلْحَيَوٰةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلْغَفُورُ ۝٢ ﴾

”وہ (اللہ) جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے۔ اور وہ زبردست، بہت بخشنے والا ہے۔“[1]

جزا وسزا کی حکمت ربانی

اگر اللہ تعالیٰ ہر شخص کو معاف فرمادے اور کسی کو سزا نہ دے تو انسان اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیونکر کریں گے؟ مجھے اس بات سے اتفاق ہے کہ اس صورت میں کوئی شخص جہنم میں نہیں جائے گا لیکن اس کے نتیجے میں اس دنیا کی زندگی ضرور جہنم بن جائے گی۔ اگر یہ طے ہو جائے کہ تمام انسانوں کو جنت ہی میں جانا ہے تو انسانوں کے اس دنیا میں آنے کا کیا مقصد باقی رہ جاتا ہے؟ اس صورت میں دنیاوی زندگی کو اخروی زندگی کے لیے ہرگز امتحان قرار نہیں دیا جاسکتا۔

معافی صرف تائبین کے لیے

اللہ صرف توبہ کرنے والے کو معاف کرتا ہے اور اس شخص کو معاف فرماتا ہے جو اپنے کیے پر پشیمان ہو اور توبہ کرے۔ قرآن کریم کی سورۃ الزُّمر میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] الملك : 2/67

﴿قُلْ يَـٰعِبَادِىَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾ وَأَنِيبُوٓا۟ إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا۟ لَهُۥ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ ٱلْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿٥٤﴾ وَٱتَّبِعُوٓا۟ أَحْسَنَ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ ٱلْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٥٥﴾﴾

''کہہ دیجیے: (اللہ فرماتا ہے:) اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے! تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ بے شک اللہ سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔ یقیناً وہ بڑا بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو، اور اس کے فرماں بردار بن جاؤ، اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے، پھر تمھاری مدد نہ کی جائے گی۔ اور تم اس بہترین چیز کی پیروی کرو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف نازل کی گئی ہے، اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے جبکہ تمھیں اس کی خبر تک نہ ہو۔''[1]

پچھتاوے اور توبہ کی چار شرائط ہیں:

- اس امر سے اتفاق کرنا کہ ایک برے فعل (گناہ) کا ارتکاب کیا گیا
- اس سے فوری طور پر باز آجانا
- مستقبل میں دوبارہ کبھی اس کا ارتکاب نہ کرنا
- آخری بات یہ کہ اگر اس فعل کی وجہ سے کسی فرد کو نقصان پہنچا ہو تو اس کی تلافی کرنا

[1] الزمر : 55-53/39

کیا الٹرا سونوگرافی قرآنی آیات کی نفی کرتی ہے؟

’’قرآن کریم کہتا ہے کہ کسی ماں کے رحم میں موجود بچے کی جنس صرف اللہ ہی کو معلوم ہوتی ہے لیکن اب سائنس ترقی کر چکی ہے اور ہم بآسانی الٹرا سونوگرافی کے ذریعے سے جنین کی جنس کا تعین کر سکتے ہیں۔ کیا یہ آیت قرآنی میڈیکل سائنس سے متصادم نہیں؟‘‘

اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور علیم وخبیر ہے۔ اس نے بعض چیزوں کا علم انسانوں کو بھی عطا فرمایا ہے لیکن ہر حاضر اور غائب چیز کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔

علم غیب صرف اللہ جانتا ہے

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کریم کا یہ دعویٰ ہے کہ صرف اللہ ہی رحم مادر میں جنین کی جنس کو جانتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کہتا ہے:

﴿إِنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥ عِلْمُ ٱلسَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ ٱلْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِى ٱلْأَرْحَامِ﴾

’’بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹوں میں ہے۔‘‘[1]

---

[1] لقمان 34/31:

اسی طرح کا ایک پیغام مندرجہ ذیل آیت میں دیا گیا ہے:

﴿اَللّٰهُ يَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ كُلُّ أُنثَىٰ وَمَا تَغِيضُ ٱلۡأَرۡحَامُ وَمَا تَزۡدَادُۚ وَكُلُّ شَيۡءٍ عِندَهُۥ بِمِقۡدَارٍ ۝٨﴾

''اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ ہر مادہ پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے، اور ارحام کی کمی بیشی بھی، اور اس کے ہاں ہر چیز کی مقدار (مقرر) ہے۔''[1]

الٹرا سونوگرافی سے جنس کا تعین

موجودہ سائنس ترقی کر چکی ہے اور ہم الٹرا سونو گرافی (Ultrasonography) کی مدد سے حاملہ خاتون کے رحم میں بچے کی جنس کا تعین بآسانی کر سکتے ہیں۔

قرآن اور جنین کی جنس

یہ درست ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت کے متعدد تراجم اور تشریحات میں یہ کہا گیا ہے کہ صرف اللہ ہی یہ جانتا ہے کہ رحم مادر میں موجود بچے کی جنس کیا ہے۔ لیکن اگر آپ اس آیت کا عربی متن پڑھیں تو آپ دیکھیں گے کہ انگریزی کے لفظ جنس (Sex) کا کوئی متبادل عربی لفظ استعمال نہیں ہوا۔ درحقیقت قرآن کریم جو کچھ کہتا ہے، وہ یہ ہے کہ ارحام میں کیا ہے، اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ بہت سے مفسرین کو غلط فہمی ہوئی اور انھوں نے اس سے یہ مطلب لیا کہ اللہ ہی رحم مادر میں بچے کی جنس سے واقف ہے۔ یہ درست نہیں۔ یہ آیت جنین کی جنس کی طرف اشارہ نہیں کرتی بلکہ اس کا اشارہ اس طرف ہے کہ رحم مادر میں موجود بچے کی فطرت کیسی ہوگی۔ کیا وہ اپنے ماں باپ کے لیے بابرکت اور باسعادت ہوگا یا باعث زحمت ہوگا؟ کیا وہ

---

[1] الرعد : 8/13

معاشرے کے لیے باعث رحمت ہوگا یا باعث عذاب؟ کیا وہ نیک ہوگا یا بد؟ کیا وہ جنت میں جائے گا یا جہنم میں؟ ان تمام باتوں کا مکمل علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔ دنیا کا کوئی سائنس دان، خواہ اس کے پاس کیسے ہی ترقی یافتہ آلات کیوں نہ ہوں، رحم مادر میں موجود بچے کے بارے میں کبھی ان باتوں کا صحیح جواب نہیں دے سکے گا۔[1]

[1] ابتدائی مراحل میں جب نطفہ اور علقہ رحم مادر میں ہوتا ہے تو کوئی سائنسدان بھی اس کا تعین نہیں کر سکتا کہ اس کی جنس کیا ہے۔ پھر آلات کے ذریعے سے معلوم کرنا تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی اپریشن کر کے کہے کہ مجھے اس کی جنس معلوم ہو گئی ہے، حالانکہ یہ اسباب کے بغیر معلوم کرنے کی نفی ہے۔ اور ایسے واقعات بھی سننے میں آئے ہیں کہ ڈاکٹر کی رپوٹ کے خلاف نتیجہ نکلا ہے، یعنی ڈاکٹری رپورٹ حتمی اور یقینی نہیں۔ (عثمان منیب)

کیا قرآن میں تضاد ہے؟

”قرآن کریم میں ذکر ہوا ہے کہ اللہ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ ایک دوسری آیت قرآنی کہتی ہے کہ ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے، تو کیا قرآن اپنی ہی بات کی نفی نہیں کر رہا؟“

قرآن کریم کی سورۃ السجدۃ اور سورۃ الحج میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی نظر میں جو دن ہے، وہ ہماری دانست کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُدَبِّرُ ٱلْأَمْرَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ إِلَى ٱلْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِى يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُۥٓ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۝٥﴾

”وہی (اللہ) آسمان سے زمین تک (سارے) معاملات کی تدبیر کرتا ہے، پھر ایک دن میں، جس کی مقدار تمھارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہے، وہ معاملات اوپر اس کے پاس جاتے ہیں۔“[1]

ایک اور آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ کے نزدیک ایک دن تمھارے پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تَعْرُجُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ وَٱلرُّوحُ إِلَيْهِ فِى يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُۥ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۝٤﴾

---

[1] السجدة : 5/32

’’فرشتے اور روح القدس (جبریل) اوپر اس کی طرف چڑھیں گے ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔‘‘[1]

ان آیات کا عمومی مطلب یہ ہے کہ اللہ کے وقت کا موازنہ زمینی وقت سے نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی مثالیں زمین کے ایک ہزار سال اور پچاس ہزار سال سے دی گئی ہیں۔ بالفاظ دیگر اللہ کے نزدیک جو ایک دن ہے وہ زمین کے ہزاروں سال یا اس سے بھی بہت زیادہ عرصے کے برابر ہے۔

’’یوم‘‘ کے معنی

ان تینوں آیات میں عربی لفظ ’’یوم‘‘ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب ’’ایک دن‘‘ کے علاوہ ’’طویل عرصہ‘‘ یا ’’ایک دور‘‘ بھی ہے۔ اگر آپ یوم کا ترجمہ عرصہ (Period) کریں تو کوئی اشکال پیدا نہیں ہوگا۔ سورۂ حج میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿٤٧﴾﴾

’’یہ لوگ عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں، اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہ کرے گا، مگر تیرے رب کے ہاں ایک دن تمھاری گنتی کے حساب سے ایک ہزار برس کے برابر ہے۔‘‘[2]

جب کافروں نے یہ کہا کہ سزا میں دیر کیوں ہے اور اس کا مرحلہ جلد کیوں نہیں آتا تو قرآن میں ارشاد ہوا کہ اللہ اپنا وعدہ پورا کرنے میں ناکام نہیں رہے گا، تمھاری نظر میں جو عرصہ ایک ہزار سال کو محیط ہے، وہ اللہ کے نزدیک ایک دن ہے۔

---

[1] المعارج: 4/70 [2] الحج: 47/22

50 ہزار اور ایک ہزار سال کی حقیقت

سورۂ سجدہ کی مذکورہ بالا آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تک تمام امور کو پہنچنے میں ہمارے حساب کے مطابق ایک ہزار سال کا عرصہ لگتا ہے جبکہ سورۃ المعارج کی آیت: 4 کا مفہوم یہ ہے کہ فرشتوں اور رُوح القدس یا ارواح کو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے میں پچاس ہزار برس کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔[1]

ضروری نہیں کہ دو مختلف افعال کے انجام پانے کے لیے یکساں مدت درکار ہو۔ مثال کے طور پر مجھے ایک مقام تک پہنچنے میں ایک گھنٹہ لگتا ہے جبکہ دوسرے مقام تک سفر کے لیے 50 گھنٹے درکار ہیں تو اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ میں دو متضاد باتیں کر رہا ہوں۔

یوں قرآن کی آیات نہ صرف ایک دوسری کے متضاد نہیں بلکہ وہ مسلمہ جدید سائنسی حقائق سے بھی ہم آہنگ ہیں۔

---

[1] قرآن میں بیان کیے گئے وقت کا پیمانہ عام انسانوں کے لحاظ سے ہے۔ فرشتوں خاص طور پر حضرت جبریل علیہ السلام اور ان کے ساتھ والے فرشتوں کے لیے یہ وقت ایک دن یا اس سے بھی کم ہے جبکہ انسانوں کو اتنا فاصلہ طے کرنے میں ایک ہزار سال لگ سکتے ہیں۔

باقی رہا پچاس ہزار سال کا دن تو فرشتے خصوصاً جبریل علیہ السلام زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک کا فاصلہ ایک دن یا سے بھی کم مدت میں طے کر لیتے ہیں جبکہ عام انسانی پیمانے سے یہ فاصلہ پچاس ہزار سال میں طے کیا جا سکتا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ زمین سے عرش تک جو امور پہنچائے جاتے ہیں وہ ایسے وقت میں پہنچتے ہیں کہ عام لوگوں کو اس میں پچاس ہزار سال لگ جائیں۔ مفسرین کے ایک قول کے مطابق قیامت کا دن کفار اور نافرمانوں پر ایک ہزار سال یا پچاس ہزار سال جتنا بھاری ہوگا، البتہ مومنوں کے لیے وہ ایک دن یا اس سے کم تکلیف کا باعث ہوگا، جیسے حدیث میں ہے کہ یہ وقت ظہر سے عصر تک کا ہوگا یا صرف اس قدر ہوگا جس قدر کوئی نماز میں وقت لگاتا ہے (مسند أحمد: 75/3 وابن حبان: 7334) تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر فتح البیان، تفسیر الخازن اور تفسیر روح المعانی وغیرہ۔

تخلیق انسان کس سے؟

''ایک مقام پر قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ انسان کو نطفے (مادۂ منویہ) سے پیدا کیا گیا جبکہ ایک دوسرے مقام پر کہا گیا ہے کہ آدمی کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ کیا یہ دونوں آیات باہم متصادم نہیں؟ آپ سائنسی طور پر یہ کیسے ثابت کریں گے کہ آدمی کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے؟''

قرآن کریم میں بنی نوع انسان کی حقیر ابتدا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ اسے مادۂ منویہ کے ایک قطرے سے پیدا کیا گیا۔ یہ بات متعدد آیات میں کہی گئی جن میں سورۂ قیامہ کی حسب ذیل آیت بھی شامل ہے:

﴿أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ ﴿٣٧﴾﴾

''کیا وہ (ایک حقیر) پانی کا نطفہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے۔''[1]

قرآن کریم متعدد مقامات پر اس بات کا ذکر بھی کرتا ہے کہ بنی نوع انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ حسب ذیل آیت میں بنی نوع انسان کی تخلیق اور ابتدا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] القیامة:37/75

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِن كُنتُمْ فِى رَيْبٍ مِّنَ ٱلْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَـٰكُم مِّن تُرَابٍ﴾

''لوگو! اگر تمھیں زندگی بعدِ موت کے بارے میں کچھ شک ہے تو (تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ) بے شک ہم نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا۔''[1]

موجودہ دور میں ہمیں معلوم ہے کہ جسمِ انسانی کے عناصر، جن سے مل کر انسانی جسم وجود میں آیا ہے، سب کے سب کم یا زیادہ مقدار میں مٹی میں شامل ہیں۔ سو یہ اس آیتِ قرآن کی سائنسی توجیہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔

قرآن کی بعض آیات میں اگر یہ فرمایا گیا ہے کہ آدمی کو نطفے سے پیدا کیا گیا جبکہ بعض اور آیات میں کہا گیا ہے کہ اسے مٹی سے پیدا کیا گیا، تو ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں۔ تضاد سے مراد تو ایسے بیانات ہیں جو باہم مخالف یا متصادم ہوں اور بیک وقت صحیح نہ ہوں۔

پانی سے انسان کی تخلیق

بعض مقامات پر قرآن کریم یہ بھی کہتا ہے کہ انسان کو پانی سے پیدا کیا گیا۔ مثال کے طور پر سورۃ الفرقان میں کہا گیا:

﴿وَهُوَ ٱلَّذِى خَلَقَ مِنَ ٱلْمَآءِ بَشَرًا﴾

''اور وہی (اللہ) ہے جس نے آدمی کو پانی سے پیدا کیا۔''[2]

تخلیقِ انسانی، پانی یا مٹی سے؟

سائنس نے ان تینوں بیانات کی تصدیق کر دی ہے۔ انسان نطفے، مٹی اور پانی تینوں سے پیدا کیا گیا ہے۔

---

[1] الحج : 5/22 [2] الفرقان : 54/25

فرض کیجیے میں یہ کہتا ہوں کہ چائے کا کپ تیار کرنے کے لیے پانی درکار ہے لیکن اس کے لیے چائے کی پتی اور دودھ یا ملک پاؤڈر بھی درکار ہوتا ہے۔ یہ دونوں بیانات متضاد نہیں کیونکہ پانی اور چائے کی پتی دونوں ہی چائے کی پیالی تیار کرنے کے لیے ضروری ہیں، مزید برآں اگر میں میٹھی چائے بنانا چاہوں تو اس میں چینی بھی ڈال سکتا ہوں، لہٰذا قرآن جب یہ کہتا ہے کہ انسان کو نطفے، مٹی اور پانی سے تخلیق کیا گیا تو اس میں کوئی تضاد نہیں بلکہ تینوں میں امتیاز قائم کیا گیا ہے۔ چیزوں میں امتیاز (Contradistinction) کا مطلب ایک ہی موضوع کے ایسے دو تصورات کے بارے میں بات کرنا ہے جو باہم متصادم نہ ہوں۔ مثال کے طور پر اگر میں یہ کہوں کہ انسان ہمیشہ سچ بولتا ہے اور عادتاً جھوٹا ہے تو یہ ایک متضاد بات ہوگی لیکن اگر میں یہ کہوں کہ یہ آدمی دیانتدار، مہربان اور محبت کرنے والا ہے تو یہ اس کی مختلف صفات میں امتیاز ظاہر کرنے والا ایک بیان ہوگا۔

افلاک وارض کی تخلیق چھ یا آٹھ روز میں؟

''قرآن کئی مقامات پر یہ بیان کرتا ہے کہ زمین و آسمان چھ دنوں میں پیدا کیے گئے۔لیکن سورۂ فُصِّلَت (حٰمٓ السجدۃ) میں کہا گیا کہ زمین و آسمان 8 دنوں میں بنائے گئے۔کیا یہ ایک تضاد نہیں؟ اسی آیت میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمین 6 دنوں میں پیدا کی گئی اور پھر اس کے بعد آسمان 2 دنوں میں پیدا کیے گئے۔ یہ بات بِگ بینگ (Big Bang) یا عظیم دھماکے کے نظریے کے منافی ہے جس کے مطابق زمین و آسمان بیک وقت پیدا ہوئے۔''

مجھے اس بات سے اتفاق ہے کہ قرآن کے مطابق آسمان اور زمین 6 دنوں، یعنی چھ ادوار میں پیدا کیے گئے۔اس کا ذکر حسب ذیل سورتوں میں آیا ہے:

- سورۂ اعراف کی آیت:54
- سورۂ یونس کی آیت:3
- سورۂ ہود کی آیت:7
- سورۂ فرقان کی آیت:59
- سورۂ سجدہ کی آیت:4
- سورۂ ق کی آیت:38

■ سورۂ حدید کی آیت:4

وہ آیاتِ قرآنی جو آپ کے خیال میں یہ کہتی ہیں کہ آسمان وزمین آٹھ دنوں میں پیدا کیے گئے، وہ 41 ویں سورۂ فُصِّلَت (حٰم السجدة) کی آیات: 9 تا 12 ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ۚ ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٩﴾ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ﴿١٠﴾ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ﴿١١﴾ فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا ۚ وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفْظًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿١٢﴾﴾

''(اے نبی!) ان سے کہیے: کیا تم واقعی اس ذات کا انکار کرتے ہو اور دوسروں کو اس کے شریک ٹھہراتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا؟ وہ تو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اس نے اس (زمین) میں اس کے اوپر پہاڑ جما دیے، اور اس میں برکتیں رکھ دیں اور اس میں غذاؤں کا (ٹھیک) اندازہ رکھا۔ یہ (کام) چار دنوں میں ہوا، پوچھنے والوں کے لیے ٹھیک (جواب) ہے، پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دھواں تھا، اس نے اس (آسمان) سے اور زمین سے کہا: وجود میں آ جاؤ، خواہ تم چاہو یا نہ چاہو۔ دونوں نے کہا: ہم آ گئے، فرمانبردار ہو کر۔ تب اس نے دو دنوں کے اندر انھیں سات آسمان بنا دیا اور ہر آسمان میں اس کا کام الہام کر دیا۔ اور آسمانِ دنیا کو ہم نے چراغوں (ستاروں) سے آراستہ کیا اور اسے خوب محفوظ کر دیا۔ یہ سب ایک بہت زبردست، خوب جاننے والے کی تدبیر ہے۔''[1]

[1] حٰمٓ السجدة : 41/9-12

قرآن کریم کی ان آیات سے بظاہر یہ تاثر ملتا ہے کہ آسمان اورزمین 8 دنوں میں پیدا کیے گئے۔

اللہ تعالیٰ اس آیت کے شروع ہی میں فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو عبارت کے اس ٹکڑے میں موجود معلومات کواس کی صداقت کے بارے میں شبہات پیدا کرنے کے لیے غلط طور پر استعمال کرتے ہیں، درحقیقت وہ کفر پھیلانے میں دلچسپی رکھتے اوراس کی توحید کے منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہی ہمیں بتارہا ہے کہ بعض کفار ایسے بھی ہوں گے جواس ظاہری تضاد کو غلط طور پر استعمال کریں گے۔

﴿ثُمَّ﴾ سے مراد "مزید برآں"

اگرآپ توجہ اور احتیاط کے ساتھ ان آیات کا جائزہ لیں تو آپ کومعلوم ہوگا کہ ان میں زمین اورآسمان کی دومختلف تخلیقات کا ذکر کیا گیا ہے۔ پہاڑوں کوچھوڑ کرزمین دو دنوں میں پیدا کی گئی۔ اور 4 دنوں میں پہاڑوں کوزمین پرمضبوطی سے کھڑا کیا گیا اورزمین میں برکتیں رکھ دی گئیں اور نپے تلے اندازے کے مطابق اس میں رزق مہیا کردیا گیا، لہٰذا آیات: 9 اور10 کے مطابق پہاڑوں سمیت زمین 6 دنوں میں پیدا کی گئی۔ آیات: 11 اور 12 کہتی ہیں کہ مزید برآں دو دنوں میں آسمان پیدا کیے گئے۔ گیارہویں آیت کے آغاز میں عربی کا لفظ ﴿ثُمَّ﴾ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب پھر یا مزید برآں ہے۔ قرآن کریم کے بعض تراجم میں ثُمَّ کا مطلب پھر لکھا گیا ہے، اوراس سے بعدازاں مراد لیا گیا ہے۔ اگر ﴿ثُمَّ﴾ کا ترجمہ غلط طور پر''پھر'' کیا جائے تو آسمانوں اورزمین کی تخلیق کے کل ایام آٹھ قرار پائیں گے اور یہ بات دوسری قرآنی آیات سے متصادم ہوگی جو یہ بتاتی ہیں کہ آسمان وزمین چھ دنوں میں پیدا کیے گئے، علاوہ ازیں اس صورت میں یہ آیت قرآن کریم کی سورۃ الانبیاء کی

30 ویں آیت سے بھی متصادم ہوگی جو ہمیں یہ بتاتی ہے کہ زمین و آسمان بیک وقت پیدا کیے گئے تھے۔

لہٰذا اس آیت میں لفظ ﴿ثُمَّ﴾ کا صحیح ترجمہ ''مزید برآں'' یا ''اس کے ساتھ ساتھ'' ہوگا۔ علامہ عبداللہ یوسف علی نے صحیح طور پر لفظ ﴿ثُمَّ﴾ کا ترجمہ ''مزید برآں'' (Moreover) کیا ہے جس سے واضح طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب پہاڑوں وغیرہ سمیت چھ دنوں میں زمین پیدا کی گئی تو بیک وقت اس کے ساتھ ہی دو دنوں میں آسمان بھی پیدا کیے گئے تھے، چنانچہ کل ایام تخلیق آٹھ نہیں چھ ہیں۔

فرض کیجیے ایک معمار یہ کہتا ہے کہ وہ 10 منزلہ عمارت اور اس کے گرد چار دیواری 6 ماہ میں تعمیر کردے گا اور اس منصوبے کی تکمیل کے بعد وہ اس کی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ عمارت کا تہہ خانہ 2 ماہ میں تعمیر کیا گیا اور دس منزلوں کی تعمیر نے 4 مہینے لیے اور جب بلڈنگ اور تہہ خانہ بیک وقت تعمیر کیے جارہے تھے تو اس نے ان کے ساتھ ساتھ عمارت کی چار دیواری کی بھی تعمیر کردی جس میں دو ماہ لگے۔ اس میں پہلا اور دوسرا بیان باہم متصادم نہیں لیکن دوسرے بیان سے تعمیر کا تفصیلی حال معلوم ہوجاتا ہے۔

آسمان اور زمین کی بیک وقت تخلیق

قرآن کریم میں کئی مقامات پر تخلیق کائنات کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض جگہ السموات والأرض (آسمان اور زمین) کہا گیا ہے جبکہ بعض دوسرے مقامات پر الأرض والسموات (زمین اور آسمان) کے الفاظ آئے ہیں۔ اس سلسلے میں سورۃ الانبیاء میں عظیم دھماکے (Big Bang) کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آسمان اور زمین بیک وقت پیدا کیے گئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٠﴾﴾

''کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین باہم ملے جلے تھے، پھر ہم نے انھیں جدا کر دیا، اور ہم نے ہر زندہ چیز پانی سے پیدا کی۔ کیا پھر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے؟''[1]

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٩﴾﴾

''وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان استوار کیے اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔''[2]

یہاں بھی اگر آپ ﴿ثُمَّ﴾ کا ترجمہ غلط طور پر ''پھر'' کریں گے تو یہ آیت قرآن کی بعض دوسری آیات اور بگ بینگ کے نظریے سے متصادم ہوگی، لہٰذا لفظ ﴿ثُمَّ﴾ کا صحیح ترجمہ ''مزید برآں'' ''بیک وقت'' یا ''اس کے ساتھ ساتھ'' ہے۔

[1] الأنبياء: 30/21 [2] البقرة: 29/2

کیا مشرق و مغرب دو دو ہیں؟

''قرآن مجید کی ایک آیت میں یہ کہا گیا کہ اللہ دو مشرقوں اور دو مغربوں کا آقا و مالک ہے۔ آپ کے نزدیک اس آیتِ قرآنی کی سائنسی تعبیر کیا ہے؟''

قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دو مشرقوں اور دو مغربوں کا رب ہے۔ قرآن کریم کی وہ آیت جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے:

﴿رَبُّ ٱلْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ ٱلْمَغْرِبَيْنِ ﴿١٧﴾﴾

''(وہی) مشرقَین اور مغربَین کا رب ہے۔''[1]

عربی متن میں مشرق و مغرب کے الفاظ تثنیہ کی شکل میں استعمال کیے گئے ہیں۔ ان سے مراد یہ ہے کہ اللہ دو مشرقوں اور دو مغربوں کا رب ہے۔

مشرق و مغرب کی انتہا

جغرافیے کی سائنس ہمیں یہ بتاتی ہے کہ سورج مشرق سے طلوع ہوتا ہے لیکن اس کے طلوع ہونے کا مقام سارا سال تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ سال میں دو دن، 21 مارچ اور 23 ستمبر، جو

---

[1] الرحمٰن : 17/55

اعتدال ربیعی و خریفی (Equinox) کے نام سے معروف ہیں، ایسے ہیں جب سورج عین مشرق سے طلوع ہوتا ہے، یعنی خط استوا پر سفر کرتا ہے۔ باقی تمام دنوں میں عین مشرق سے قدرے شمال یا قدرے جنوب کی طرف ہٹ کر طلوع ہوتا ہے۔ موسم گرما کے دوران میں 22 جون کو سورج مشرق کی ایک انتہا سے نکلتا ہے (خط سرطان پر سفر کرتا ہے) تو موسم سرما میں بھی ایک خاص دن، یعنی 22 دسمبر کو سورج مشرق کی دوسری انتہا سے نکلتا ہے (خط جدی پر سفر کرتا ہے)۔ اس طرح سورج موسم گرما میں (22 جون) اور موسم سرما میں (22 دسمبر) کو مغرب میں دو مختلف انتہاؤں پر غروب ہوتا ہے۔[1] فطرت کا یہ مظاہرہ کسی بھی شہر میں رہنے والے لوگ بآسانی دیکھ سکتے ہیں یا کسی بلند و بالا عمارت سے سورج کے اس طلوع و غروب کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ نظارہ کرنے والے لوگ دیکھیں گے کہ سورج گرمیوں میں 22 جون کو مشرق کی ایک انتہا سے نکلتا ہے تو سردیوں میں 22 دسمبر کو ایک دوسری انتہا سے۔ مختصر یہ کہ سارا سال سورج مشرق کے مختلف مقامات سے نکلتا ہے اور مغرب کے مختلف مقامات پر غروب ہوتا رہتا ہے، لہٰذا جب قرآن اللہ کا ذکر دو مشرقوں اور دو مغربوں کے رب کے طور پر کرتا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرق اور مغرب دونوں کی دونوں انتہاؤں کا رب اور مالک ہے۔

---

[1] زمین پر خط استوا کا عرض بلد صفر ہے جو زمین کو دو برابر نصف کروں میں تقسیم کرتا ہے۔ خط استوا کے شمال میں خط سرطان کا عرض بلد 23.5 درجے شمالی ہے اور خط استوا کے جنوب میں خط جدی کا عرض بلد 23.5 درجے جنوبی ہے۔ سورج بظاہر انھی دو عرض بلاد کے درمیان سفر کرتا نظر آتا ہے، تاہم حقیقت یہ ہے کہ زمین کی محوری گردش (لٹو کی طرح مغرب سے مشرق کو گھومنے) کے دوران میں سال کے مختلف اوقات میں اس کے مختلف مقامات سورج کے براہ راست سامنے آتے ہیں۔ سال میں دو بار 21 مارچ اور 23 ستمبر کو سورج خط استوا پر عموداً چمکتا ہے (بظاہر خط استوا پر سفر کرتا نظر آتا ہے) جبکہ 22 جون کو سورج کی شعاعیں خط سرطان پر عموداً پڑتی ہیں اور 22 دسمبر کو سورج خط جدی پر عموداً چمکتا ہے۔ (محسن فارانی)

تمام نقاط ومقامات کا مالک اللہ ہے

اللہ تعالیٰ مشرق ومغرب کے تمام نقاط ومقامات کا مالک ہے۔عربی زبان میں جمع کے صیغے کی دو اقسام ہیں۔ایک جمع تثنیہ ہے، یعنی دو کی جمع اور دوسری قسم وہ ہے جس میں دو سے زیادہ کی جمع مراد ہوتی ہے۔سورۂ رحمٰن کی 17 ویں آیت میں مشرقین اور مغربین کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن کا صیغۂ جمع تثنیہ ہے اوران سے مراد دو مشرق اور دو مغرب ہیں۔قرآن کریم کی حسب ذیل آیت دیکھیے:

﴿فَلَآ أُقۡسِمُ بِرَبِّ ٱلۡمَشَٰرِقِ وَٱلۡمَغَٰرِبِ إِنَّا لَقَٰدِرُونَ ۝٤٠﴾

”پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اورمغربوں کے مالک کی۔“[1]

اس میں مشرق ومغرب کی جمع کے لیے مشارق اور مغارب کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو کہ جمع کے صیغے ہیں اور دو سے زیادہ کی تعداد کو ظاہر کرتے ہیں۔اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ذکر مشرق اورمغرب کے تمام مقامات کا مالک ہونے کے علاوہ مشرق ومغرب کے دو انتہائی مقامات کے رب اور مالک کے طور پر بھی کیا گیا ہے۔

[1] المعارج: 40/70

کیا اسلام تشدد اور خونریزی کی دعوت دیتا ہے؟

''کیا اسلام تشدد، خونریزی اور بہیمیت کو فروغ دیتا ہے، اس لیے کہ قرآن کہتا ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ جہاں کہیں کفار کو پائیں انھیں قتل کردیں؟''

قرآن کریم سے بعض مخصوص آیات کا غلط طور پر اس لیے حوالہ دیا جاتا ہے کہ اس غلط تصور کو قائم رکھا جا سکے کہ اسلام تشدد کی حمایت کرتا ہے اور اپنے پیروکاروں پر زور دیتا ہے کہ وہ دائرۂ اسلام سے باہر رہنے والوں کو قتل کردیں۔

آیت جس کا غلط حوالہ دیا جاتا ہے

سورۂ توبہ کی مندرجہ ذیل آیت کا اسلام کے ناقدین اکثر حوالہ دیتے ہیں تاکہ یہ ظاہر کیا جاسکے کہ اسلام تشدد، خون ریزی اور وحشت کو فروغ دیتا ہے:

﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ﴾

''تم مشرکوں کو جہاں کہیں پاؤ، انھیں قتل کردو۔''[1]

---

[1] التوبة : 5/9

آیت کا سیاق وسباق

درحقیقت ناقدینِ اسلام اس آیت کا حوالہ سیاق وسباق سے ہٹ کر دیتے ہیں۔ آیت کے سیاق وسباق کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ اس سورت کا مطالعہ آیت نمبر 1 سے شروع کیا جائے ۔اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان جو معاہداتِ امن ہوئے تھے ،ان سے براءت کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اس براءت (معاہدات کی منسوخی) سے عرب میں شرک اور مشرکین کا وجود عملاً خلاف قانون ہوگیا کیونکہ ملک کا غالب حصہ اسلام کے زیرِحکم آچکا تھا۔ ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا کہ یا تو لڑنے پر تیار ہوجائیں یا ملک چھوڑ کر نکل جائیں یا پھر اپنے آپ کو اسلامی حکومت کے نظم و ضبط میں دے دیں۔ مشرکین کو اپنا رویہ بدلنے کے لیے چار ماہ کا وقت دیا گیا۔ ارشادِ الٰہی ہوا:

﴿فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾﴾

’’پس جب حرمت (دی گئی مہلت) والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ قتل کردو اور ان کو پکڑلو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان کی تاک میں بیٹھو، پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔‘‘[1]

ہم سب جانتے ہیں کہ ایک وقت تھا امریکہ ویت نام سے برسرِ پیکار تھا۔ فرض کیجیے کہ

---

[1] التوبة : 5/9

صدر امریکہ یا امریکی جرنیل نے جنگ کے دوران میں امریکی سپاہیوں سے کہا: جہاں کہیں ویت نامیوں کو پاؤ انھیں ہلاک کردو۔ اس کا حوالہ دیتے ہوئے اگر آج میں سیاق وسباق سے ہٹ کر یہ کہوں کہ امریکی صدر یا جرنیل نے کہا تھا کہ جہاں کہیں ویت نامیوں کو پاؤ انھیں قتل کردو۔ تو یوں معلوم ہوگا کہ میں کسی قصائی کا ذکر کررہا ہوں۔ لیکن اگر میں اس کی یہی بات صحیح سیاق وسباق میں بیان کروں تو یہ بالکل منطقی معلوم ہوگی کیونکہ وہ دراصل جنگ کے حالات میں اپنی سپاہ کا حوصلہ بڑھانے کے لیے ایک ہنگامی حکم دے رہا تھا کہ دشمن کو جہاں کہیں پاؤ ختم کردو، حالت جنگ ختم ہونے کے بعد یہ حکم ساقط ہوگیا۔

حالت جنگ کا حکم

اسی طرح سورۂ توبہ کی آیت نمبر 5 میں ارشاد ہوا ہے کہ ''تم مشرکوں کو جہاں کہیں پاؤ انھیں قتل کردو۔'' یہ حکم جنگ کے حالات میں نازل ہوا اور اس کا مقصد مسلم سپاہ کا حوصلہ بڑھانا تھا۔ قرآن کریم درحقیقت مسلمان سپاہیوں کو تلقین کررہا ہے کہ وہ خوفزدہ نہ ہوں اور جہاں کہیں دشمنوں سے سامنا ہو انھیں قتل کردیں۔

ارون شوری کی فریب کاری

ارون شوری، بھارت میں اسلام کے شدید ناقدوں میں سے ہے۔ اس نے بھی اپنی کتاب ''فتاویٰ کی دنیا'' کے صفحہ 572 پر سورۂ توبہ کی آیت نمبر 5 کا حوالہ دیا ہے۔ آیت نمبر 5 کا حوالہ دینے کے بعد وہ دفعتاً ساتویں آیت پر آجاتا ہے۔ یہاں ہر معقول آدمی یہ محسوس کرتا ہے کہ اس نے جان بوجھ کر آیت نمبر 6 سے گریز کیا ہے۔

قرآن سے جواب

سورۂ توبہ کی آیت نمبر 6 اس الزام کا شافی جواب دیتی ہے کہ اسلام (نعوذ باللہ) تشدد، بہیمیت اور خونریزی کو فروغ دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ۝٦﴾

''(اے نبی!) اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دیجیے تاکہ وہ اللہ کا کلام سن سکے، پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجیے۔ یہ (رعایت) اس لیے ہے کہ بے شک وہ لوگ علم نہیں رکھتے۔''[1]

قرآن کریم نہ صرف یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی مشرک حالات جنگ میں پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دی جائے بلکہ حکم دیتا ہے کہ اسے محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ موجودہ بین الاقوامی منظر نامے میں ایک رحم دل اور امن پسند جرنیل جنگ کے دوران میں دشمن کے سپاہیوں کو امن طلب کرنے پر آزادانہ جانے دے لیکن کون ایسا فوجی جرنیل ہوگا جو اپنے سپاہیوں سے یہ کہہ سکے کہ اگر دوران جنگ دشمن کے سپاہی امن کے طلب گار ہوں تو انھیں نہ صرف یہ کہ رہا کردو بلکہ محفوظ مقام پر بھی پہنچا دو؟

[1] التوبۃ : 6/9

کیا قرآنی احکامِ وراثت میں ریاضی کی غلطی ہے؟

''ہندو دانشور ارون شوری نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن کریم میں ریاضی کی ایک غلطی پائی جاتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ سورۂ نساء کی آیات نمبر 11 اور 12 میں وارثوں کو دی جانے والی وراثت کے حصوں کو جمع کیا جائے تو کل عدد ایک سے زیادہ بن جاتا ہے، لہٰذا (نعوذ باللہ) قرآن کا مصنف ریاضی نہیں جانتا۔''

وراثت کے مسائل قرآن کریم میں متعدد مقامات پر بیان کیے گئے ہیں:

- سورۃ البقرہ آیت: 180
- سورۃ البقرہ آیت: 240
- سورۃ النساء آیات: 7 تا 9
- سورۃ النساء آیات: 19 اور 33
- سورۃ المائدہ آیات: 105 اور 108

لیکن وراثت کے حصوں کے بارے میں سورۃ النساء کی آیات نمبر 11، 12 اور 176 میں واضح احکام ہیں۔

آیئے سورۃ النساء کی آیات نمبر 11 اور 12 کا جائزہ لیں جس کا حوالہ ارون شوری نے دیا ہے:

﴿يُوصِيكُمُ ٱللَّهُ فِيٓ أَوۡلَٰدِكُمۡۖ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ ٱلۡأُنثَيَيۡنِۚ فَإِن كُنَّ نِسَآءٗ فَوۡقَ ٱثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَۖ وَإِن كَانَتۡ وَٰحِدَةٗ فَلَهَا ٱلنِّصۡفُۚ وَلِأَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَٰحِدٖ مِّنۡهُمَا ٱلسُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُۥ وَلَدٞۚ فَإِن لَّمۡ يَكُن لَّهُۥ وَلَدٞ وَوَرِثَهُۥٓ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ ٱلثُّلُثُۚ فَإِن كَانَ لَهُۥٓ إِخۡوَةٞ فَلِأُمِّهِ ٱلسُّدُسُۚ مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصِي بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍۗ ءَابَآؤُكُمۡ وَأَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُونَ أَيُّهُمۡ أَقۡرَبُ لَكُمۡ نَفۡعٗاۚ فَرِيضَةٗ مِّنَ ٱللَّهِۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمٗا ﴿١١﴾ وَلَكُمۡ نِصۡفُ مَا تَرَكَ أَزۡوَٰجُكُمۡ إِن لَّمۡ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٞۚ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٞ فَلَكُمُ ٱلرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡنَۚ مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصِينَ بِهَآ أَوۡ دَيۡنٖۚ وَلَهُنَّ ٱلرُّبُعُ مِمَّا تَرَكۡتُمۡ إِن لَّمۡ يَكُن لَّكُمۡ وَلَدٞۚ فَإِن كَانَ لَكُمۡ وَلَدٞ فَلَهُنَّ ٱلثُّمُنُ مِمَّا تَرَكۡتُمۚ مِّنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ تُوصُونَ بِهَآ أَوۡ دَيۡنٖۗ وَإِن كَانَ رَجُلٞ يُورَثُ كَلَٰلَةً أَوِ ٱمۡرَأَةٞ وَلَهُۥٓ أَخٌ أَوۡ أُخۡتٞ فَلِكُلِّ وَٰحِدٖ مِّنۡهُمَا ٱلسُّدُسُۚ فَإِن كَانُوٓاْ أَكۡثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمۡ شُرَكَآءُ فِي ٱلثُّلُثِۚ مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصَىٰ بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍ غَيۡرَ مُضَآرّٖۚ وَصِيَّةٗ مِّنَ ٱللَّهِۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٞ ﴿١٢﴾﴾

''تمھاری اولاد کے بارے میں اللہ تمھیں ہدایت کرتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے، پھر اگر (دو یا) دو سے زائد عورتیں ہوں تو انھیں ترکے کا دو تہائی دیا جائے۔ اور اگر ایک ہی بیٹی وارث ہو تو آدھا ترکہ اس کا ہے۔ اگر میت صاحب اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہیے۔ اور اگر وہ صاحب اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے اور اگر میت کے (ایک سے زیادہ) بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصے کی حقدار ہوگی۔

(یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی۔ تم نہیں جانتے کہ تمھارے باپ دادا اور تمھاری اولاد میں سے کون بلحاظ نفع تم سے قریب تر ہے۔ یہ حصے اللہ نے مقرر کیے ہیں اور بے شک اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔ اور تمھاری بیویوں نے جو کچھ چھوڑا ہو، اگر وہ بے اولاد ہوں تو اس کا آدھا حصہ تمھیں ملے گا، ورنہ اولاد ہونے کی صورت میں ان کے ترکے کا چوتھا حصہ تمھارا ہے۔ (یہ تقسیم) ان کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی۔ اور اگر تمھاری اولاد نہ ہو تو تمھارے ترکے میں تمھاری بیویوں کا چوتھا حصہ ہے، پھر اگر تمھاری اولاد ہو تو تمھارے ترکے میں ان کا آٹھواں حصہ ہے۔ (یہ تقسیم) تمھاری وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی۔ اور اگر وہ آدمی جس کا ورثہ تقسیم کیا جا رہا ہو، اس کا بیٹا ہو نہ باپ، یا ایسی عورت ہو اور اس کا ایک بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے، پھر اگر ان کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو وہ سب ایک تہائی حصے میں (برابر) شریک ہوں گے۔ (یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد (ہوگی) جبکہ وہ کسی کو نقصان پہنچانے والا نہ ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے تاکید ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا، بڑے حوصلے والا ہے۔''[1]

اسلام کا قانون وراثت

اسلام نے قانونِ وراثت کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ قرآن میں ایک جامع اور بنیادی خاکہ دیا گیا ہے جبکہ اس کی تفصیل اور جزئیات نبیٔ کریم ﷺ کی احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ یہ قانون اتنا جامع اور مفصل ہے کہ اگر کوئی شخص حصہ داروں کی مختلف

[1] النساء : 12,11/4

ترتیب وترکیب کے ساتھ اس پر عبور حاصل کرنا چاہے تو اسے اس کے لیے ساری عمر وقف کرنی پڑے گی۔ ادھر ارون شوری ہے جو قرآن کی دو آیات کے سرسری اور سطحی مطالعے سے اور شرعی معیارات سے واقفیت حاصل کیے بغیر ہی اس قانون کو جاننے کی توقع رکھتا ہے۔

اس کی حالت اس شخص جیسی ہے جو الجبرے کی ایک مساوات حل کرنے کا خواہاں ہے، حالانکہ وہ ریاضی کے بنیادی قواعد(Bodmas) بھی نہیں جانتا جن کے مطابق قطع نظر اس بات سے کہ ریاضی کی کون سی علامت پہلے آئی ہے، پہلے آپ کوBodmas حل کرنا ہوگا،یعنی پہلے بریکٹیں حل کرنی ہوں گی، دوسرے مرحلے پر تقسیم کا عمل کرنا ہوگا، تیسرے پر ضرب کا عمل، چوتھے پر جمع کا اور پانچویں مرحلے پر تفریق کا عمل انجام دینا ہوگا۔ اگر ارون شوری ریاضی سے نابلد ہے اور وہ مساوات کے حل کا عمل ضرب سے شروع کرتا ہے، پھر تفریق کا عمل کرتا ہے اس کے بعد بریکٹوں کو دور کرنے کا عمل انجام دیتا ہے، پھر تقسیم کی طرف آتا ہے اور آخر میں جمع کا عمل بروئے کار لاتا ہے تو یقیناً اس کا جواب غلط ہی ہوگا۔

اسی طرح جب قرآن مجید سورۂ نساء کی آیات نمبر11 اور 12 میں قانون وراثت بیان کرتا ہے تو اگرچہ سب سے پہلے اولاد کے حصے کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے بعد والدین اور میاں یا بیوی کے حصے بیان ہوئے ہیں لیکن اسلامی قانون وراثت کے مطابق سب سے پہلے قرض اور واجبات ادا کیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد والدین اور میاں یا بیوی کا حصہ ادا کیا جاتا ہے جو اس امر پر منحصر ہے کہ مرنے والے نے اپنے پیچھے بچے بھی چھوڑے ہیں یا نہیں۔ اس کے بعد بچنے والی جائداد بیٹوں اور بیٹیوں میں مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم کی جاتی ہے، لہٰذا کل حصص کے مجموعے کا ایک سے بڑھ جانے کا سوال کہاں پیدا ہوا؟[1]

---

[1] قانونِ وراثت کے عام مسائل تو سیدھے ہیں ان میں جتنے حصص ہوں وہ مخرج کے حساب سے ورثاء پر تقسیم ہو جاتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات ورثاء کے حصص مخرج سے بڑھ جاتے ہیں۔ اس میں مناسب

سو یہ اللہ نہیں جو ریاضی نہیں جانتا بلکہ خود ارون شوری ریاضی کے علم سے بے بہرہ اور ناواقف ہے۔

عدد کا اضافہ کر کے مخرج کو حصص کے برابر کر لیا جاتا ہے۔ اصطلاح میں اسے ''عَوْل'' کہتے ہیں۔ اس سے یہ فرق پڑتا ہے کہ ورثاء کا حصہ کچھ کم ہو جاتا ہے۔ عول کا سب سے پہلے فتویٰ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دیا۔ اکثر صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے قبول کیا سوائے چند ایک کے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے: مرنے والی خاتون اپنے پیچھے، خاوند اور دو سگی بہنیں وارث کے طور پر چھوڑ جاتی ہے۔ خاوند کا حصہ نصف $\frac{1}{2}$ ہے اور دو سگی بہنوں کا حصہ دو تہائی ($\frac{2}{3}$) ہے۔ یہاں اصل مسئلہ (ذو اضعاف اقل) 6 ہے۔ خاوند کو نصف (تین حصے) ملے گا اور بہنوں کے لیے 2 تہائی (چار حصے) ہے۔ اب اس مسئلے میں ''عول'' آ گیا، یعنی مخرج تنگ ہو گیا جس کی بنا پر حصص بڑھا دیے، پہلے 6 تھے اب 7 ہو گئے۔ اس طرح چند صورتیں اور بھی ہیں جن میں عَول آتا ہے۔ اور یہ عَول کا آنا ریاضی کے قانون سے ناواقفیت کی بنا پر نہیں بلکہ یہ ایک تقدیری مسئلہ ہے کہ مُورِّث کی موت کے وقت کون سا وارث زندہ ہے۔ ان میں سے جو زیادہ حق دار ہے اسی کو وراثت میں سے حصہ ملے گا۔ بعض دفعہ مخرج کے مطابق نکالے ہوئے حصص بچ جاتے ہیں وہ اصحاب الفروض میں سوائے زوجین کے، تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے تفہیم المواریث از استاذ فاروق اصغر صارم)

کفار کے دلوں پر مہر لگنے کے بعد وہ قصوروار کیوں؟

''اگر اللہ نے کافروں، یعنی غیر مسلموں کے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو پھر انھیں اسلام قبول نہ کرنے کا قصوروار کیسے ٹھہرایا جاسکتا ہے؟''

اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ کی آیات نمبر 6 اور 7 میں فرماتا ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ ءَأَنذَرۡتَهُمۡ أَمۡ لَمۡ تُنذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُونَ ۝٦ خَتَمَ ٱللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمۡ وَعَلَىٰ سَمۡعِهِمۡۖ وَعَلَىٰٓ أَبۡصَٰرِهِمۡ غِشَٰوَةٞۖ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيمٞ ۝٧﴾

''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے یکساں ہے، خواہ آپ انھیں خبردار کریں یا نہ کریں، بہرحال وہ ایمان لانے والے نہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''[1]

یہ آیات عام کفار کی طرف اشارہ نہیں کرتیں جو ایمان نہیں لائے۔ قرآن کریم میں ان کے لیے ﴿اِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، یعنی وہ لوگ جو حق کو رد کرنے پر تلے

[1] البقرة : 7,6/2

ہوئے ہیں۔ نبیٔ کریم ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ''تم انھیں خبردار کرو یا نہ کرو، یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔'' اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، اس لیے وہ سمجھتے ہیں نہ ایمان لاتے ہیں، بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہ کفار بہرصورت حق کو مسترد کرنے پر تلے بیٹھے ہیں اور آپ انھیں تنبیہ کریں یا نہ کریں، وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، لہٰذا اس کا ذمہ دار اللہ نہیں بلکہ کفار خود ہیں۔ [1]

ایک مثال سے وضاحت

فرض کیجیے ایک تجربہ کار استاد آخری (فائنل) امتحانات سے قبل یہ پیشگوئی کرتا ہے کہ فلاں طالب علم امتحان میں فیل ہو جائے گا، اس لیے کہ وہ بہت شریر ہے، سبق پر توجہ نہیں دیتا اور اپنا ہوم ورک بھی کر کے نہیں لاتا۔ اب اگر وہ امتحان میں ناکام رہتا ہے تو اس کا قصوروار کسے ٹھہرایا جائے گا، استاد کو یا طالب علم کو؟ استاد کو صرف اس وجہ سے کہ استاد نے پیشگوئی کر دی تھی، اس لیے اسے طالب علم کی ناکامی کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پیشگی علم ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے حق کو ٹھکرانے کا تہیہ کر رکھا ہے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، لہٰذا وہ غیر مسلم خود ایمان اور اللہ سے منہ موڑنے کے ذمہ دار ہیں۔

---

[1] اللہ تعالیٰ کی طرف گمراہ کرنے یا دلوں پر مہر لگانے کی نسبت اس لیے درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل بھیج کر اور آسمانوں سے کتابیں نازل فرما کر انسانوں کے لیے راہِ حق واضح کر دی۔ اب جنھوں نے حق قبول کیا وہ ہدایت یافتہ اور کامیاب ٹھہرے اور جنھوں نے حق سے منہ موڑا اور انبیاء و رسل کو ستایا، اللہ نے انھیں گمراہی میں پڑا رہنے دیا اور حق کی توفیق نہ دی۔

فہم وادراک کا مرکز دل یا دماغ؟

''قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ اللہ نے کافروں کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ دوسری طرف سائنس ہمیں یہ بتاتی ہے کہ فہم و ادراک اور ایمان لانا دماغ کا کام ہے، دل کا نہیں۔ تو کیا قرآن کا دعویٰ سائنس کے متضاد ہے؟''

قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٦ خَتَمَ ٱللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰٓ أَبْصَٰرِهِمْ غِشَٰوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝٧﴾

''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے لیے یکساں ہے، خواہ آپ انھیں خبردار کریں یا نہ کریں، بہرحال وہ ایمان لانے والے نہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔''[1]

---

[1] البقرۃ : 7,6/2

قلب کا مفہوم

عربی زبان میں لفظ ''قلب'' کے معنی دل کے بھی ہیں اور ذہانت کے بھی۔ان آیات میں جو لفظ قلب استعمال ہوا ہے، اس سے مراد دل بھی ہے اور ذہانت بھی، لہٰذا مذکورہ بالا آیات کا مطلب یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پر مہر لگا دی ہے اور وہ نہ تو بات کو سمجھ پائیں گے اور نہ ایمان لائیں گے۔

فہم وادراک کا مرکز

عربی زبان میں ''قلب'' سے فہم وادراک کا مرکز بھی مراد لیا جا سکتا ہے اور یہ فہم وادراک کے مفہوم میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

انگریزی زبان کی مثالیں

انگریزی زبان میں بھی متعدد الفاظ ہیں جو اپنے لغوی معنی سے ہٹ کر کسی اور مفہوم میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ان کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

- ''Lunatic'': قمر زدہ یا چاند کا مارا ہوا: لفظ Lunatic کا لغوی مطلب ہے چاند کا مارا ہوا یا چاند کی زد میں آیا ہوا۔موجودہ دور میں لوگ اس لفظ کو ایک ایسے شخص کے لیے استعمال کرتے ہیں جو دیوانہ یا ذہنی خلل کا شکار ہو۔لوگ خوب جانتے ہیں کہ کوئی پاگل یا ذہنی خلل میں مبتلا آدمی چاند کا ڈسا ہوا نہیں ہوتا۔اس کے باوجود میڈیکل ڈاکٹر بھی یہی لفظ استعمال کرتا ہے۔یہ زبان کے عمومی ارتقا کی ایک مثال ہے۔ویسے ''لیونیٹک'' بمعنی ''دیوانہ'' کی اصطلاح اس باطل تصور کے تحت گھڑی گئی کہ چاند میں ہونے والی تبدیلیوں کا شدید اثر پڑتا ہے، چنانچہ

شعراء چاندنی سے عشق و دیوانگی کی کیفیت پیدا ہونے کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔

- Disaster: ایک منحوس ستارہ: لفظ Disaster کا معنی و مطلب منحوس ستارہ ہے لیکن آج کل یہ لفظ اچانک نازل ہونے والی بدقسمتی یا آفت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، حالانکہ ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ بدقسمتی کا کسی منحوس ستارے سے کوئی تعلق نہیں۔ علامہ اقبال کہتے ہیں ۔

ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا!
جو خود فراخئ افلاک میں ہے خوار و زبوں

- Trivial: تین سڑکوں کا سنگم: لفظ Trivial کا لغوی مطلب وہ مقام ہے جہاں تین سڑکیں ملتی ہوں۔ آج کل یہ لفظ کسی معمولی نوعیت کی یا بہت معمولی اہمیت کی حامل چیز کے لیے بولا جاتا ہے۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ اگر کوئی چیز معمولی قدر و قیمت رکھتی ہو تو اسے تین سڑکوں کے سنگم سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔
- طلوع آفتاب (Sunrise) اور غروب آفتاب (Sunset): سن رائز (Sunrise) کا لغوی مطلب ہے سورج کا چڑھنا۔ آج جب لفظ Sunrise یا طلوع آفتاب کہا جاتا ہے تو لوگ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوتے کہ زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے۔ پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں کہ سورج کہیں چڑھ نہیں رہا ہوتا۔ اس کے باوجود ماہرین فلکیات بھی لفظ Sunrise ہی استعمال کرتے ہیں، اسی طرح ہم اس بات سے بھی واقف ہیں کہ ''غروب آفتاب'' یا Sunset کے وقت سورج کہیں غروب نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود اصطلاح یہی استعمال ہوتی ہے۔

انگریزی زبان میں محبت اور جذبات کا مرکز دل ہی کو کہا جاتا ہے اور دل سے مراد وہ

عضوِ بدن ہے جو خون کو پمپ کرتا ہے۔ یہی لفظ دل کے خیالات، محبت اور جذبات کے منبع اور مرکز کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ آج ہمیں معلوم ہے کہ خیالات، محبت اور جذبات کا مرکز دماغ ہے، اس کے باوجود جب کوئی شخص جذبات کا اظہار کرتا ہے تو اکثر یہی کہتا ہے: ''میں تم سے دل کی گہرائیوں سے محبت کرتا ہوں۔ تصور کیجیے! ایک سائنسدان جب اپنی اہلیہ سے ان الفاظ میں اظہار محبت کرتا ہے تو کیا وہ یہ کہے گی کہ تمھیں سائنس کی اس بنیادی حقیقت کا علم بھی نہیں کہ جذبات کا مرکز دماغ ہے، دل نہیں؟ کیا وہ اسے یہ مشورہ دے گی کہ تمھیں کہنا چاہیے کہ میں تم سے اپنے دماغ کی گہرائیوں سے محبت کرتا ہوں؟ لیکن وہ ایسا نہیں کہتی بلکہ خاوند کے دل کی گہرائیوں سے محبت کے دعوے کو تسلیم کرتی ہے۔ لفظ قلب، مرکز خیالات وادراک کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔

کوئی عرب کبھی یہ سوال نہیں پوچھے گا کہ اللہ نے کافروں کے دلوں پر کیوں مہر لگائی ہے کیونکہ اسے بخوبی علم ہے کہ اس سیاق و سباق میں اس سے مراد انسان کا مرکز خیالات و جذبات ہے۔

جنت میں مردوں کو حوریں ملیں گی تو عورتوں کے لیے کیا؟

"قرآن کریم کے مطابق کوئی شخص جنت میں داخل ہوگا تو اسے حور، یعنی خوبصورت دوشیزہ دی جائے گی۔ سوال یہ ہے کہ جب کوئی عورت جنت میں جائے گی تو اسے کیا دیا جائے گا؟"

لفظ حور قرآن کریم میں کم از کم چار مختلف مقامات پر استعمال ہوا ہے۔

﴿ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَٰهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾ ﴾

"یوں ہی ہوگا اور ہم ان کا نکاح کر دیں گے بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے۔"①

﴿ وَزَوَّجْنَٰهُم بِحُورٍ عِينٍ ﴿٢٠﴾ ﴾

"اور ہم ان کا نکاح بڑی بڑی اور روشن آنکھوں والی حوروں سے کر دیں گے۔"②

﴿ حُورٌ مَّقْصُورَٰتٌ فِى ٱلْخِيَامِ ﴿٧٢﴾ ﴾

"خیموں میں ٹھہرائی گئی حوریں۔"③

﴿ وَحُورٌ عِينٌ ﴿٢٢﴾ كَأَمْثَٰلِ ٱللُّؤْلُؤِ ٱلْمَكْنُونِ ﴿٢٣﴾ ﴾

---

① الدخان : 54/44 ② الطور : 20/52 ③ الرحمٰن : 72/55

''اوران کے لیے خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہوگی، ایسی حسین جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی۔''①

حور کا مطلب

قرآن کریم کے بہت سے مترجمین نے لفظ حور کا ترجمہ خصوصاً اردو تراجم میں خوبصورت دوشیزائیں یا لڑکیاں کیا ہے۔ اس صورت میں وہ صرف مردوں کے لیے ہوں گی۔ تب جنت میں جانے والی عورتوں کے لیے کیا ہوگا؟

لفظ ''حُوْر'' فی الواقع اَحْوَرُ (مردوں کے لیے قابل اطلاق) اور حَوْرَاء (عورتوں کے لیے قابل اطلاق) دونوں کا صیغۂ جمع ہے اور یہ ایک ایسے شخص کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کی آنکھیں حَوَرُ سے متصف ہوں، جو جنت میں جانے والے مردوں اور خواتین کی صالح ارواح کو بخشی جانے والی خصوصی صفت ہے اور یہ روحانی آنکھ کے سفید حصے کی انتہائی اجلی رنگت کو ظاہر کرتی ہے۔

دوسری کئی آیات میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ جنت میں تمھارے ازواج، یعنی جوڑے ہوں گے۔ اور تمھیں تمھارا جوڑا یا پاکیزہ ساتھی عطا کیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِن ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوا هَٰذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِن قَبْلُ ۖ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا ۖ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥﴾﴾

''اور (اے پیغمبر!) جو لوگ اس کتاب پر ایمان لائیں اور نیک عمل کریں، انھیں خوشخبری دے دیں کہ ان کے لیے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔

① الواقعة : 23,22/56

جب بھی ان میں سے کوئی پھل انھیں کھانے کو دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو اس سے پہلے ہم کو دنیا میں دیا جاتا تھا۔ ان کے لیے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی، اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔''①

﴿وَالَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۖ لَّهُمْ فِيهَآ أَزْوَٰجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ۝٥٧﴾

''اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو مان لیا اور نیک عمل کیے، ان کو ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور ان کو پاکیزہ بیویاں ملیں گی اور انھیں ہم گھنی چھاؤں میں رکھیں گے۔''②

لہٰذا لفظ ''حُور'' کسی خاص جنس یا صنف کے لیے مخصوص نہیں۔ علامہ محمد اسد نے لفظ حور کا ترجمہ خاوند یا بیوی (Spouse) کیا ہے جبکہ علامہ عبداللہ یوسف علی نے اس کا ترجمہ ساتھی (Companion) کیا ہے، چنانچہ بعض علماء کے نزدیک جنت میں کسی مرد کو جو حور ملے گی وہ ایک بڑی بڑی چمکتی ہوئی آنکھوں والی خوبصورت دوشیزہ ہوگی جبکہ جنت میں داخل ہونے والی عورت کو جو ساتھی ملے گا وہ بھی بڑی بڑی روشن آنکھوں والا ہوگا۔

عورتوں کے لیے خصوصی انعام

بہت سے علماء کا خیال ہے کہ قرآن میں جو لفظ ''حور'' استعمال ہوا ہے اس سے مراد صرف خواتین ہیں کیونکہ اس کے بارے میں خطاب مردوں سے کیا گیا ہے۔ اس کا وہ جواب جو سب قسم کے لوگوں کے لیے لازماً قابل قبول ہو، حدیث مبارک میں دیا گیا ہے۔ جب نبیٔ کریم ﷺ سے ایسا ہی سوال کیا گیا کہ اگر مرد کو جنت میں ایک خوبصورت

① البقرۃ : 25/2 ② النساء : 57/4.

دوشیزہ، یعنی حور دی جائے گی تو عورتوں کو کیا ملے گا؟ تو جواب میں ارشاد ہوا کہ عورتوں کو وہ چیز ملے گی جس کی ان کے دل نے کبھی خواہش کی ہوگی نہ ان کے کانوں نے کبھی اس کا ذکر سنا ہوگا اور نہ ان کی آنکھوں نے کبھی اسے دیکھا ہوگا۔ گویا عورتوں کو جنت میں کوئی خاص شے عطا کی جائے گی۔ [1]

[1] یہ سوال کہ جنت میں مَردوں کو حوریں ملیں گی تو عورتوں کو کیا ملے گا؟ اس ضمن میں موصوف ڈاکٹر ذاکر صاحب نے جو حدیث پیش کی ہے وہ اس سیاق سے ہمیں اصل مراجع سے نہیں مل سکی۔ صحیح بخاری میں حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

«قَالَ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: أَعْدَدْتُ لِعِبَادِيَ الصَّالِحِينَ مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ، وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ، وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ»

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جسے ان کی آنکھوں نے دیکھا ہے نہ ان کے کانوں نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گزرا ہے۔'' (صحیح البخاری، التفسیر، حدیث: 4779) حدیث کے لفظ عِبَاد میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں، البتہ اس سلسلے میں شیخ ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ نے سلسلۂ صحیحہ میں ایک حدیث نقل کی ہے: اَلْمَرْأَةُ لِآخِرِ أَزْوَاجِهَا'' (جنت میں) عورت (دنیا کے لحاظ سے) آخری خاوند کے ساتھ ہوگی۔'' (الصحیحة، حدیث: 1281) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں شادی شدہ عورت جنت میں بھی اپنے خاوند ہی کے ساتھ ہوگی، البتہ جن کی شادی نہ ہوئی یا جن کے خاوند کافر رہے، ان کو جنت میں مَردوں کے ساتھ بیاہ دیا جائے گا۔ (دیکھیے: تفسیر روح المعانی: 207/14)

ابلیس: فرشتہ یا جنّ؟

''قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کہا گیا ہے کہ ابلیس ایک فرشتہ تھا لیکن سورۂ کہف میں فرمایا گیا ہے کہ ابلیس ایک جن تھا۔ کیا یہ بات قرآن میں تضاد کو ظاہر نہیں کرتی؟''

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر آدم و ابلیس کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ ٱسْجُدُواْ لِآدَمَ فَسَجَدُوٓاْ إِلَّآ إِبْلِيسَ﴾

''ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، سو ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔''[1]

اس بات کا تذکرہ حسب ذیل آیات میں بھی کیا گیا ہے:

- سورۂ اعراف کی آیت:11
- سورۂ حجر کی آیات:28-31
- سورۂ بنی اسرائیل کی آیت:61

---

[1] البقرۃ : 34/2

- سورۂ طٰہٰ کی آیت:116
- سورۂ صٓ کی آیت:71-74

لیکن 18 ویں سورۃ الکہف کی آیت:50 کہتی ہے:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَـٰٓئِكَةِ ٱسْجُدُوا۟ لِـَٔادَمَ فَسَجَدُوٓا۟ إِلَّآ إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ ٱلْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِۦٓ﴾

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو تو ان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، وہ جنوں میں سے تھا۔ پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔''[1]

تغلیب کا کلیہ

سورۃ البقرہ کی مذکورہ بالا آیت کے پہلے حصے سے ہمیں یہ تاثر ملتا ہے کہ ابلیس ایک فرشتہ تھا۔ قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ عربی گرامر میں ایک کلیہ تغلیب کے نام سے معروف ہے جس کے مطابق اگر اکثریت سے خطاب کیا جارہا ہو تو اقلیت بھی خود بخود اس میں شامل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر میں 100 طالب علموں پر مشتمل ایک ایسی کلاس سے خطاب کر رہا ہوں جس میں لڑکوں کی تعداد 99 ہے اور لڑکی صرف ایک ہے، اور میں عربی زبان میں یہ کہتا ہوں کہ سب لڑکے کھڑے ہو جائیں تو اس کا اطلاق لڑکی پر بھی ہوگا۔ مجھے الگ طور پر اس سے مخاطب ہونے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

اسی طرح قرآن کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے خطاب کیا تو ابلیس بھی وہاں موجود تھا، تاہم اس امر کی ضرورت نہیں تھی کہ اس کا ذکر الگ سے کیا جاتا، لہٰذا سورۂ بقرہ اور دیگر سُورتوں کی عبارت کے مطابق ابلیس فرشتہ ہو یا نہ ہو لیکن 18 ویں سورۃ الکہف کی پچاسویں

[1] الکہف : 50/18

آیت کے مطابق ابلیس ایک جن تھا۔ قرآن کریم میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ ابلیس ایک فرشتہ تھا۔ سو قرآن کریم میں اس حوالے سے کوئی تضاد نہیں۔

ارادہ واختیار جنوں کو ملا، فرشتوں کو نہیں

اس سلسلے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ جنوں کو ارادہ واختیار دیا گیا ہے اور وہ چاہیں تو اطاعت سے انکار بھی کر سکتے ہیں، لیکن فرشتوں کو ارادہ واختیار نہیں دیا گیا اور وہ ہمیشہ اللہ کی اطاعت بجالاتے ہیں، لہٰذا اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی فرشتہ اللہ کی نافرمانی بھی کر سکتا ہے۔ اس حقیقت سے اس بات کی مزید تائید ہوتی ہے کہ ابلیس ایک جن تھا، فرشتہ نہیں تھا۔

کیا مریم علیہا السلام ہارون علیہ السلام کی بہن تھیں؟

''آپ کے قرآن میں یہ ذکر آیا ہے کہ مریم علیہا السلام ہارون علیہ السلام کی بہن تھی۔ حضرت محمد ﷺ جنھوں نے قرآن تصنیف کیا (نعوذ باللہ) یہ نہیں جانتے تھے کہ ہارون علیہ السلام کی بہن مریم، یسوع مسیح علیہ السلام کی والدہ میری (Mary) سے مختلف خاتون ہیں اور دونوں میں تقریباً ایک ہزار سال کا وقفہ ہے؟''

قرآن کریم کی سورۂ مریم میں فرمایا گیا ہے:

﴿فَأَتَتْ بِهِۦ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُۥ ۖ قَالُوا۟ يَٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يَٰٓأُخْتَ هَٰرُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ ٱمْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾﴾

''پھر وہ اس (بچے) کو اٹھائے اپنی قوم کے پاس آئی تو وہ کہنے لگے: اے مریم! یقیناً تو نے بہت بُرا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔''[1]

عیسائی مشنری کہتے ہیں کہ نبئ کریم ﷺ کو یسوع مسیح علیہ السلام کی والدہ میری یا مریم اور ہارون علیہ السلام کی بہن مریم میں فرق معلوم نہیں تھا، حالانکہ دونوں کے درمیان ایک ہزار برس کا

[1] مریم : 28,27/19

بعد زمانی ہے۔ لیکن انھیں شاید علم نہیں کہ عربی زبان کے جملے کی ساخت میں بہن کے معانی آل اولاد بھی ہیں، لہٰذا لوگوں نے مریم سے کہا: اے ہارون کی اولاد! اور فی الواقع اس سے ہارون علیہ السلام کی اولاد ہی مراد ہے۔

بیٹے کا مطلب اولاد ہے

بائبل میں لفظ ''بیٹا'' بھی اولاد کے معنی میں استعمال ہوا ہے، چنانچہ متی کی انجیل کے باب اول کے فقرہ نمبر1 میں ہے:

''یسوع مسیح، داؤد کا بیٹا''[1]

لوقا کی انجیل کے باب نمبر 3 کے فقرہ نمبر 23 میں لکھا ہے:

''جب یسوع خود تعلیم دینے لگا، قریباً تیس برس کا تھا، اور (جیسا کہ سمجھا جاتا تھا) یوسف کا بیٹا تھا۔''[2]

کیا مسیح علیہ السلام کے دو باپ تھے؟

ایک شخص کے دو والد نہیں ہو سکتے، لہٰذا جب یہ کہا جائے کہ ''یسوع مسیح علیہ السلام، داؤد علیہ السلام کا بیٹا تھا'' تو اس کی وضاحت یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام، داؤد علیہ السلام کی آل میں سے تھے۔ بیٹا (Son) سے یہاں مراد جانشین یا اولاد ہے۔

بنا بریں قرآن مجید کی سورۂ مریم کی آیت نمبر 28 پر اعتراض بے بنیاد ہے کیونکہ اس میں مذکور ''اُخت ہارون'' سے مراد حضرت ہارون علیہ السلام کی بہن مریم نہیں بلکہ اس سے مراد مریم والدۂ مسیح ہیں جو ہارون علیہ السلام کی اولاد، یعنی ان کی نسل میں سے تھیں۔

---

[1] متی : 1/1

[2] لوقا: 23/3 یوسف سے مراد یوسف نجار ہے جو مسیحی عقیدے کے مطابق حضرت مریم کا شوہر تھا۔

کیا ''روح اللہ'' سے الوہیت مسیح کشید کی جاسکتی ہے؟

''کیا قرآن کریم یہ بیان نہیں کرتا کہ یسوع مسیح کلمۃ اللہ (اللہ کا کلمہ) ہیں اور روح اللہ (اللہ کی روح) بھی۔ کیا اس سے شان الوہیت ظاہر نہیں ہوتی؟''

قرآن مجید کی رُو سے مسیح علیہ السلام اللہ کی جانب سے ایک کلمہ ہیں اللہ کا کلمہ نہیں، چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 45 میں کہا گیا ہے:

﴿إِذْ قَالَتِ ٱلْمَلَـٰٓئِكَةُ يَـٰمَرْيَمُ إِنَّ ٱللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ٱسْمُهُ ٱلْمَسِيحُ عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْـَٔاخِرَةِ وَمِنَ ٱلْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٥﴾﴾

''(یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے، اس کا نام مسیح ابن مریم ہوگا۔ وہ دنیا اور آخرت میں بڑے مرتبے والا اور اللہ کے قریبی بندوں میں سے ہوگا۔''[1]

گویا قرآن میں مسیح علیہ السلام کا ذکر ''اللہ کی جانب سے ایک کلمہ'' کے طور پر کیا گیا ہے نہ کہ ''اللہ کے کلمہ'' کے طور پر۔ اللہ کے ایک کلمے سے مراد اللہ کا پیغام ہے۔ اگر کسی شخص کو اللہ کی جانب سے ایک کلمہ کہا جائے تو اس کا مطلب ہوگا کہ وہ اللہ کا پیغمبر اور نبی ہے۔

---

[1] آل عمران : 45/3

انبیاء کے القاب

مختلف انبیائے کرام کو مختلف القاب دیے گئے ہیں۔ جب کسی پیغمبر کو کوئی لقب دیا جاتا ہے تو اس کا لازمی طور پر یہ مطلب نہیں ہوتا کہ دوسرے پیغمبر وہ خصوصیت یا خوبی نہیں رکھتے، مثال کے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرآن میں خلیل اللہ، یعنی اللہ کا دوست کہا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ تمام دوسرے پیغمبر اللہ کے دوست نہیں تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ کہا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کیا۔ اس سے بھی یہ مراد نہیں کہ اللہ نے دوسرے انبیاء سے بات نہیں کی، اسی طرح مسیح علیہ السلام کا بطور کلمة من الله، یعنی ”اللہ کی طرف سے ایک کلمہ“ ذکر کیا گیا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے انبیاء اللہ کی طرف سے ایک کلمہ یا پیغام بر نہیں ہیں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام جنھیں عیسائی یوحنا صبّاغ (John The Baptist) کہتے ہیں، ان کے ذکر میں بھی عیسیٰ علیہ السلام کو کلمة من الله، یعنی ”اللہ کی طرف سے ایک کلمہ“ کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُۥ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٨﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿٣٩﴾﴾

”وہیں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی: میرے رب! مجھے اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا کر، بے شک تو ہی دعا سننے والا ہے، پھر جب وہ حجرے میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا تو فرشتوں نے اسے آواز دی: بے شک اللہ تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے، وہ اللہ کے ایک کلمے (عیسیٰ) کی توثیق کرے گا، اور سردار، نفس پر ضبط رکھنے والا اور

نیکوکار نبی ہوگا۔''①

مسیح علیہ السلام کا ذکر بطور رُوحٌ مِّنَ اللهِ

قرآن میں مسیح علیہ السلام کا ذکر بطور روح اللہ کے نہیں کیا گیا بلکہ سورۂ نساء میں روح من اللّٰه، یعنی ''اللہ کی جانب سے ایک روح'' کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لَا تَغْلُوا۟ فِى دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْحَقَّ ۚ إِنَّمَا ٱلْمَسِيحُ عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ ٱللَّهِ وَكَلِمَتُهُۥٓ أَلْقَىٰهَآ إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَـَٔامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦ ۖ وَلَا تَقُولُوا۟ ثَلَٰثَةٌ ۚ ٱنتَهُوا۟ خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا ٱللَّهُ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ ۖ سُبْحَٰنَهُۥٓ أَن يَكُونَ لَهُۥ وَلَدٌ ۘ لَّهُۥ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِى ٱلْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ وَكِيلًا ﴿١٧١﴾﴾

''اے اہل کتاب! دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ کے بارے میں حق بات کے سوا کچھ نہ کہو۔ بے شک عیسیٰ ابن مریم تو اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہی ہے جسے اس نے مریم کی طرف ڈالا اور وہ اس کی طرف سے ایک روح ہے، چنانچہ تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ معبود تین ہیں، اس سے باز آجاؤ یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔ بے شک اللہ ہی معبود واحد ہے، وہ اس (امر) سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو، آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، اور اللہ بطور کارساز کافی ہے۔''②

---

① آل عمران: 39,38/3

② النساء: 171/4

اللہ کی روح ہر انسان میں پھونکی گئی ہے

اللہ کی طرف سے روح پھونکے جانے کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) معبود ہیں۔قرآن متعدد مقامات پر بیان کرتا ہے کہ اللہ انسانوں میں ''اپنی روح سے'' پھونکتا ہے۔مثلاً:

﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُۥ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُواْ لَهُۥ سَٰجِدِينَ ۝٢٩﴾

''پھر جب میں اسے (آدم کو) درست کرلوں اور اپنی روح سے اس میں پھونک دوں تو اس کے آگے سجدہ کرتے گر پڑنا۔''[1]

﴿ثُمَّ سَوَّىٰهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِن رُّوحِهِۦۖ وَجَعَلَ لَكُمُ ٱلسَّمْعَ وَٱلْأَبْصَٰرَ وَٱلْأَفْـِٔدَةَۚ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝٩﴾

''پھر انسان (کے اعضاء) کو درست کیا اور اس میں اپنی روح سے پھونکا، اور اس نے تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔تم کم ہی شکر کرتے ہو۔''[2]

[1] الحجر : 29/15 [2] السجدة : 9/32

کیا مسیح علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں؟

''کیا یہ بات درست نہیں کہ آپ کا قرآن سورۂ مریم (آیت:33) میں ذکر کرتا ہے کہ یسوع مسیح علیہ السلام انتقال کر گئے اور پھر زندہ کیے گئے اور اٹھائے گئے تھے؟''

قرآن مجید میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انتقال کر گئے بلکہ ان کا قول صیغۂ مستقبل میں ہے۔ سورۂ مریم میں عیسیٰ علیہ السلام کی بابت ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ انھوں نے کہا:

﴿ وَٱلسَّلَٰمُ عَلَيَّ يَوۡمَ وُلِدتُّ وَيَوۡمَ أَمُوتُ وَيَوۡمَ أُبۡعَثُ حَيًّا ٣٣ ﴾

''اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا، اور جس دن میں مرجاؤں گا، اور جس دن میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔''[1]

قرآن کا بیان یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام نے کہا: سلام ہو مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس روز میں مرجاؤں گا۔ یہ نہیں کہا گیا کہ جس روز میں فوت ہوا۔ یہ بات مستقبل کے صیغے میں کہی گئی ہے، صیغۂ ماضی میں نہیں۔

---

[1] مریم : 33/19

مسیح علیہ السلام زندہ اٹھائے گئے

قرآن کریم سورۂ نساء میں مزید بتاتا ہے:

﴿وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٥٧﴾ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٨﴾﴾

''اوران کے یہ کہنے کی وجہ سے (ہم نے ان پر لعنت کی) کہ'' ہم نے مسیح ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کیا'' حالانکہ انھوں نے نہ انھیں قتل کیا اور نہ انھیں سولی پر چڑھایا بلکہ انھیں شبہے میں ڈال دیا گیا۔ اور بے شک جنھوں نے عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کیا وہ ضرور ان کے متعلق شک میں ہیں۔ انھیں ان کے بارے میں کوئی علم نہیں سوائے گمان کی پیروی کے، اورانھوں نے یقیناً انھیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھالیا، اور اللہ بڑا زبردست، بہت حکمت والا ہے۔''[1]

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں کی گھناؤنی سازش سے بچا کر زندہ آسمان پر اٹھالیا تھا۔ قیامت کے قریب زمین پر ان کا نزول ہوگا اور فتنۂ دجال کے ختم ہونے اور تمام روئے زمین پر اللہ کے دین اسلام کے فروغ کے بعد عیسیٰ علیہ السلام انتقال کر جائیں گے۔

برائے مہربانی یہ کتاب خرید کر زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔
جزاک اللہ

[1] النساء: 158,157/4

راہِ حق سیریز

مسلمانوں کی عملی زندگی میں مسنون انقلاب برپا کرنے والی کتب کا دعوتی، مستند اور جامع سیٹ

خود پڑھیے اور دوسروں کو ہدیہ کیجیے!

* ترجمہ وتفسیر تیسواں پارہ
* تجلیات نبوت
* ارکانِ اسلام وایمان
* مسنون نماز اور روزمرہ کی دعائیں
* اسلام کے احکام وآداب
* فکر وعقیدہ کی گمراہیاں اور صراطِ مستقیم کے تقاضے
* اسلامی آدابِ معاشرت
* حقوق وفرائض
* انسان...... اپنی صفات کے آئینے میں
* دعوتِ حق کے تقاضے
* لباس اور پردہ

تلاشِ حق میں سرگرداں لوگوں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے
انتہائی مستند، جامع اور دل پذیر کتابوں کا سیٹ، اردو میں پہلی بار

خود پڑھیے اور دوسروں کو پڑھائیے!

* توحید اور ہم
* رحمتِ دوعالم ﷺ
* قرآن کی عظمتیں اور اس کے معجزے
* اسلام کی امتیازی خوبیاں
* اسلام کے بنیادی عقائد
* اسلام میں بنیادی حقوق
* اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات
* اسلام پر 40 اعتراضات کے عقلی و نقلی جواب
* اسلام ہی ہمارا انتخاب کیوں؟
* میں توبہ تو کرنا چاہتا ہوں لیکن!
* جنت میں داخلہ، دوزخ سے نجات

قرآن نازل ہوا تو اُس نے یہود و نصاریٰ پر آشکار کیا کہ تمھیں تمھاری بھلائی کے لیے جو دین دیا گیا تھا، وہ تم نے اپنی ملاوٹی باتوں کے ڈھیر میں گم کر دیا، اب تمھاری جھولی خالی ہے۔ لیکن مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، اب رب العزت نے اسلام کی راہ روشن کر دی ہے۔ پس تم اسلام کے سایۂ رحمت میں آجاؤ۔

فی زمانہ اسلام کی تبلیغ و ترجمانی کی عزت جن علمائے حق کے حصے میں آئی ہے، ان میں بھارت کے نامور سکالر ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک کی شخصیت بہت نمایاں ہے۔ چاند پر خاک ڈالنے کی کوشش کی جائے تو وہ اپنے ہی منہ پر آگرتی ہے۔ غیر مسلموں نے اسلام پر اعتراضات کی بوچھاڑ کی۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کے مدلل اور مسکت جوابات دیے ہیں اور انھیں اسی راہ پر چلنے کی دعوت دی ہے جس کی طرف قرآن کریم 14 صدیوں سے بلا رہا ہے۔

دارالسلام سوال و جواب کا یہ بے مثل مجموعہ دنیا بھر میں اسلام کی حقانیت عام کرنے کے لیے شائع کر رہا ہے۔ یہ کتاب خود بھی پڑھیے اور اسے زیادہ سے زیادہ تعداد میں غیر مسلموں تک بھی پہنچائیے۔ یہ کتاب پڑھ کر اگر ایک غیر مسلم کے قدم بھی اسلام کی راہ پر لگ گئے تو یہی ننھا سا عمل آپ کے لیے جنت کی ضمانت بن جائے گا۔